ایک ہیروئن
پانچ لوفر
سٹار پاکٹ بکس

"خوشبودار صابنوں سے نہلا کر جمنا کو ایک
بڑے تولیہ میں شمپئن کی بوتل کی طرح لپیٹ کر ایک
خوابگاہ میں پہنچا دیا گیا۔ پھر ہیئر ڈریسر اور میک اپ
والے کو اندر اس خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا۔ جب
ہیئر ڈریسر اور میک اپ کا اہتمام ہو گیا تو درزی اور کپڑے
بدلنے والی عورت کو اس خواب گاہ میں لے جایا گیا۔"

کرشن چندر کے قلم سے ہیروئن سازی پر ایک دلچسپ ناول
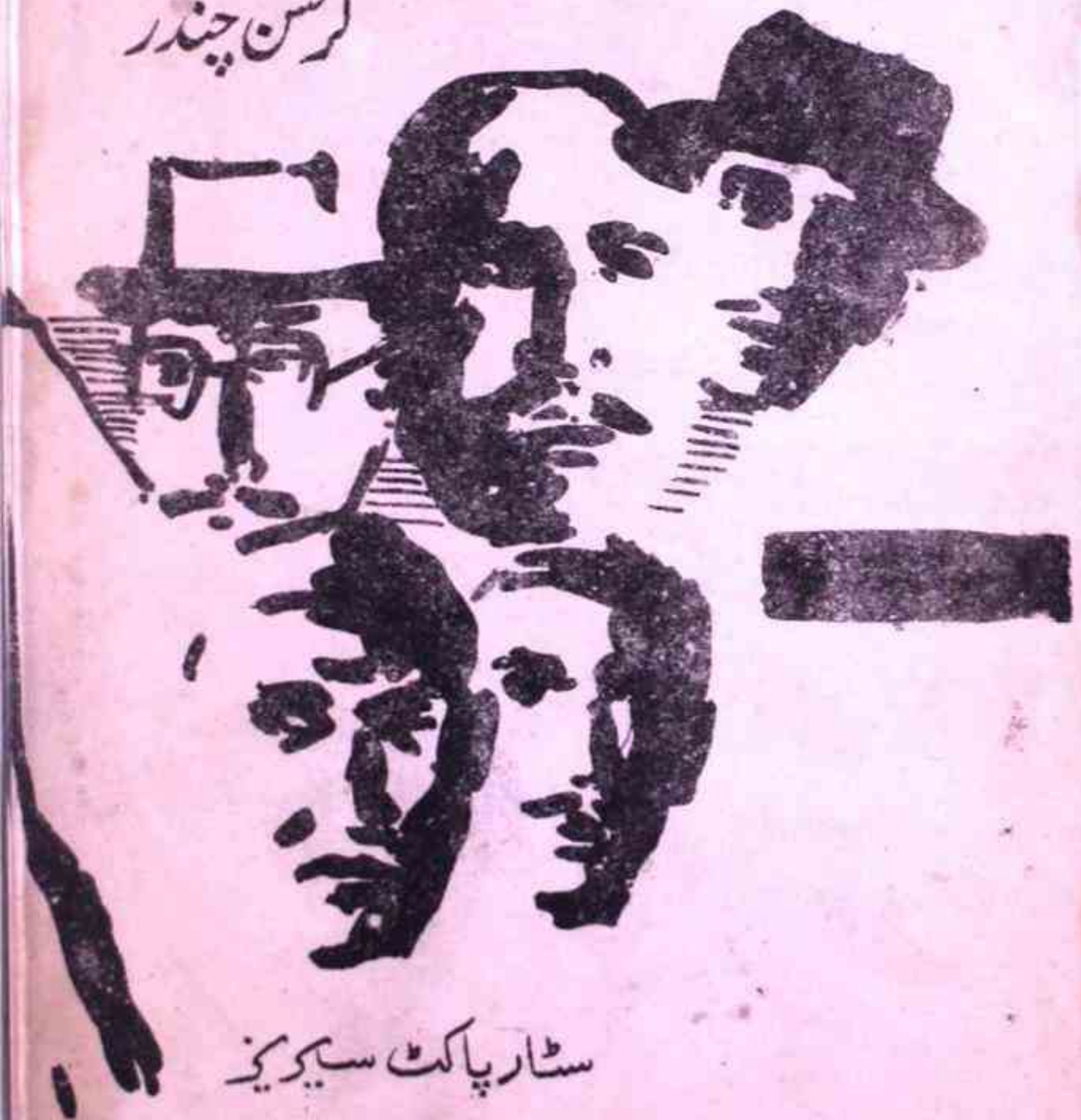
کرشن چندر
سٹار پاکٹ سیریز
۲۱۷۰ :

ایک ہیروئن
پانچ لوفر

سٹار پاکٹ سیریز

ایک ہیروئن پانچ لوفر

ناشر:

سٹار پبلیکیشنز۔ دریا گنج۔ دہلی ۶

سول ایجنٹس:

پنجابی پُستک بھنڈار۔ دریبہ کلاں۔ دہلی ۶

قیمت: دو روپے

طابع: تصویر لیتھو پریس، دہلی

S 217 Ek-Heroine-Panch-Lofar 2-00

پیرکالہ پروڈکشن کے دو پارٹنر تھے۔ داؤد مکرانی اور سندر لیس جانی۔ دونوں بے حد چلتے پرزے تھے اور ایک بڑی تصویر بنا رہے تھے۔ ایسٹ مین کلر میں ۔۔۔ ہرجیت کمار اور آرادھنا کو لے کر جس کی جوڑی ان دنوں فلم انڈسٹری میں ٹاپ کی جوڑی سمجھی جاتی تھی ہرجیت کمار کا کنٹریکٹ بارہ لاکھ کا تھا اور آرادھنا کا آٹھ لاکھ کا ۔۔ پکچر دو تہائی مکمل ہو چکی تھی۔

پیرکالہ پروڈکشن کا آفس بے حد شاندار تھا مگر داؤد اور سندر کا پرائیویٹ کمرہ جو آفس کے بالکل آخر میں تھا سب سے شاندار تھا اور اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا تھا، آپس کی پرائیویٹ گفتگو کرنے کے لئے داؤد اور سندر اسی کمرہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس پر ہر وقت تالا پڑا رہتا تھا جس کی ایک چابی داؤد کے پاس تھی دوسری سندر کے پاس۔

تیسری چابی پلٹو کے پاس تھی۔

پلٹو پیرکالہ پروڈکشن کا چپراسی تھا اور دونوں پارٹنرز کا منہ چڑھا تھا۔ کیونکہ اس کے پاس تیسری چابی تھی۔ اور جب دفتر بند ہو جاتا اور دفتر کے لوگ چلے جاتے اس کے بعد بھی کئی بار

داؤد اور سُندر اس کمرہ میں بیٹھتے تھے۔ ایسے موقعوں پر بلٹو ہی ان کی خدمت کرتا تھا۔ چند گھنٹے محفلِ نا و نوش جمتی، گھروں پر بیویوں کو ٹیلیفون ہوتا، کہ آفس میں بہت کام ہے۔ فلم کے شوق میں دور دور سے اڑ کر آئے والی تتلیوں سے ملنے کا یہی وقت تھا۔

ایسے وقت میں بلٹو ہی خدمت کرتا تھا۔

میں بھی ایک عرصہ سے بلٹو کی خدمت کر رہا تھا۔ آٹھ دس دفعہ اسے بھیل پوری کھلا چکا تھا۔ ایک روز بلٹو نے مجھ سے کہا۔

"آج دونوں سیٹھ خالی ہیں آٹھ بجے تک کے لئے۔ تم سات بجے آفس میں آجانا۔"

میں ساڑھے چھ بجے ہی پہنچ گیا۔

بلٹو اس وقت سوڈے کی بوتلیں پرائیویٹ روم میں لے جا رہا تھا۔ مجھے جلدی سے آفس کے باہر اپنی کرسی پر بٹھا کر اندر چلا گیا۔ کوئی دس منٹ کے بعد ہنستا مسکراتا باہر نکلا۔ ہاتھ کے اشارے سے مجھے اندر بلانے لگا۔

"اندر چلو۔ سیٹھ بلاتے ہیں۔ میں نے تمہارا انٹرویو فکس کر دیا ہے۔ مگر خبردار میری کسی بات کو وہاں کاٹنا نہیں۔ جو بھی بولوں ہاں میں ہاں ملاتے جانا۔ نہیں تو لفڑا ہو جائے گا۔"

میں دھڑکتے دل سے اس کے ساتھ ساتھ چلا۔ تین عالی شان کمروں کو پار کر کے ہم سیٹھوں کے پرائیویٹ روم کے باہر پہنچے۔ بلٹو نے

دستک دی اور آہستہ سے دروازہ کھول کے داخل ہو گیا۔
میں اس کے پیچھے پیچھے۔۔۔۔
داؤد اور سندر ایک ہی صوفہ پر بیٹھے تھے۔ سامنے کانچ کی ایک لمبی تپائی تھی جس پر فائلوں کی ایک چھوٹی سی ٹرے تھی۔ ایک کونے میں ایک چھوٹی میز پر ایک ٹائپ رائٹر کھلا تھا۔
ایک کمرے میں مارون رنگ کی مخمل کا دیوان تھا۔ دو صوفے تھے چند کرسیاں، ایک لوہے کی الماری تھی۔ سیٹھوں کے صوفے کے پیچھے پورے کمرہ کی لمبان میں ایک پھولدار پردہ تنا تھا۔ نیلے رنگ کے اس دبیز پردے کے پیچھے کیا تھا، یہ مجھے معلوم نہ ہو سکا۔ ہاں وہاں سے روشنی چھن چھن کر آتی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ادھر بھی کچھ ہے۔ ایک لمحہ میں میں نے کمرہ کا جائزہ لے لیا۔
بلٹو بولا: "یہ میرا دوست ہے پلینٹ ماسٹر۔ ہائی کلاس گیت لکھتا ہے۔ تین سال ساحر کا باورچی رہ چکا ہے۔"
"ساحر کا باورچی!" داؤد نے حیرت سے میری طرف دیکھ کے کہا۔ میں نے بھی حیرت سے بلٹو کی طرف دیکھا۔ سندر نے جلدی سے مجھے ایک کرسی پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا، جس پر میں جلدی سے بیٹھ گیا۔ سیٹھ داؤد کی آواز ایسی کڑوی اور کھرکھری تھی کہ اسے سن کر ہمیشہ کے لئے مجھے داؤدی سے نفرت ہو جائے۔
"ساحر اپنا ہر گانا کسی کو سنانے سے پہلے اس کو سناتا تھا۔

جب یہ پاس کرتا تھا تو وہ کسی دوسرے کو سناتا تھا۔" پلٹو شروع رہا۔

سندر کا منہ کھلنے لگا۔

"اب بولنے کی بات نہیں ہے"، پلٹو بولا "میرے ہو کا تاج محل اسی کا لکھا ہوا ہے"۔

"تاج محل اس کا لکھا ہوا ہے؟" داؤد حیرت سے چیخ کر بولا "پلٹو تو بینڈل تو نہیں پھینکتا ہے؟"

"نہیں سیٹھ"۔

پلٹو نے فائلوں کی ریک ایک۔ کنارے پر رکھ کر کانچ کی لمبی تپائی پر خالی گلاس سجاتے ہوئے کہا۔ "اپنے کو جھوٹ بولنے سے کیا ملنے والا ہے۔ یہ میرا دوست مینٹ ماسٹر مجیب کا گیت گا رہے"۔

"مگر تاج محل تو ساحر نے برسوں پہلے لدھیانے میں لکھی تھی۔ ایسا میں نے سنا ہے"۔ داؤد سیٹھ بولا۔

پلٹو بولا "یہ بھی لدھیانے کا رہنے والا ہے۔ دونوں ایک ساتھ اسکول میں پڑھتے تھے، دونوں شاعر تھے۔ پھر یہ تو اپنی اپنی قسمت کی بات ہے۔ ایک آج آسمان پر ہے دوسرا فٹ پاتھ پر"۔

سندر لس جانی نے مجھے ہمدردی کی نظر سے دیکھا۔

"لدھیانہ میں اس نے ایک گیت لکھا تھا، راج محل! اسی کو توڑ موڑ کر ساحر نے تاج محل بنا کے چالو کر دیا — تم سناؤ نا اُن کو اپنی نظم تاج محل!"

پلٹو نے آخری فقرہ مجھ سے کہا۔

میں راج محل سُنانے میں چالو ہو گیا جسے میں نے ساحرؔ کے تاج محل کو توڑ موڑ کے لکھا تھا۔ بلکہ کہیں تو مصرعے کے مصرعے اڑا لیے تھے۔ گیت پر گیت لکھنے میں بھی تو خرابی ہے۔

سننے کے بعد داؤد اور سندر دونوں نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔ داؤد بولا۔

" وہی جات کی گجل معلوم ہوتی ہے "

سندر نے کہا۔

" اور جیادہ سمجھ بھی آتی ہے "

داؤد نے کہا۔

" صاف دیکھتا ہے، راج محل کا تاج محل بنا دیا ساحرؔ نے "

پلٹو نے قیمتی نگاہوں سے میری طرف دیکھ کے کہا۔

" اب اندر کی بات کیا بتاؤں سیٹھ صاحب! جب یہ ساحرؔ کا باورچی تھا، وہ روج اس سے ہر گانے پر صلاح لیتا تھا۔ کتنی اچھے سے اچھے ٹکڑے دیئے ہوئے ہیں اس نے ساحرؔ کی گجلوں میں ۔۔۔۔ اندر کی بات بتا رہا ہوں ۔۔۔۔ بدقسمت دیکھو یہ بے چارا ڈنڈے پاٹھ پر ہے ۔۔۔ اس کو ایک چانس تو دو سیٹھ! "

پلٹو نے بات ختم کی اور وہسکی کی بوتل تپائی پر رکھ دی۔

" اچھا! تم باہر جاؤ " داؤد نے پلٹو سے کہا " ہم اس کے سنگ بات کرتا ہے "

پلٹو نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ مجھے آنکھ ماری اور پھر باہر چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی داؤد ذرا سا کھانسا۔ سندر بس جانی نے اپنے گلے کی ٹائی ڈھیلی کی۔

داؤد بولا ”اور کیا کیا لکھا کرتے ہو؟“

”گجل، گیت، گانہ، دوگانہ، تیگانہ سب لکھتا ہوں“

میں نے کہا۔

”یہ تیگانہ کیا ہوتا ہے؟“ سندر نے پوچھا۔

سندر اور داؤد میں سندر ٹھیٹھ پٹ کثین مانا جاتا ہے، اور داؤد کی رائے فلمی کہانی، مکالمے اور گیت کے بارے میں مستند مانی جاتی ہے۔

میں نے کہا ”دوگانہ تو ہیرو ہیروئن کا ہوتا ہے، تیگانے میں ولن بھی بیچ بیچ میں گاتا ہے۔ جیسے میں نے ایک تیگانہ لکھا ہے پہلے ہیرو گاتا ہے، پھر ہیروئن، آخر میں ولن!

ہیرو: میں کہتا ہوں ڈنکے کی چوٹ، تو ہے زہر کی پوٹ

ہیروئن: میں کہتی ہوں ڈنکے کی چوٹ تیرے من میں ہے کھوٹ

ولن، دھت تیرے کی۔

ولن کے ”دھت تیرے کی!“ پہ داؤد اچھل پڑا۔ میری بدصورت لمبے لمبے ناخنوں والی میل سے بھری ہوئی انگلیاں چوم کے بولا۔

”دھت تیرے کی!“ کیا غضب کا ٹکڑا رکھا ہے۔ سلور جوبلی ٹکڑا ہے۔ آگے سناؤ!“

میں آگے سنانے لگا۔

ہیرو: میں نے کھویا دس کا پتہ میں نے کھویا سو کا نوٹ

ہیروئن: کھائی حسن کی چوٹ۔ مورے آنچل کی اوٹ
دلہن: پڑ گئی بھرّے کی ٹوٹ
دھت تیرے کی!

"بھرّے کی ٹوٹ" اور اس پر "دھت تیرے کی!" دونوں سیٹھ اچھل پڑے۔

سندر نے جلدی سے ایک گلاس میں میرے لئے وہسکی انڈیلی، دوسرے میں اپنے لئے، تیسرے میں داؤد کے لئے اتنی انڈیلی کہ اسے کہنا پڑا۔

"بس جانی!"

جانی کے ہاتھ رک لیا۔

پھر دونوں میں نہ جانے کیا خفیہ اشارہ ہوا کہ سندر نے اکدم اپنا لہجہ بدل دیا۔ اپنے گلے کی ٹائی کو اور بھی ڈھیلا کرتے ہوئے بولا۔

"اچھا ہے، مگر بہت اچھا نہیں ہے۔ ٹھیک ہے مگر بہت ٹھیک نہیں ہے، چلے گا مگر بہت نہیں چلے گا!"

"ہاں اچھا ہے مگر کچھ کچھ کچا ہے، پکے کا ہے مگر کچھ کسر ہے۔ ابھی تم کو بہت محنت کرنا پڑے گا!" داؤد سیٹھ بولا۔

"وہ میں کر لوں گا سیٹھ!" میں نے کسی قدر لجاجت سے کہا۔ حالانکہ اندر سے بہت غصہ آرہا تھا۔

"اس کو ایک چانس تو ملنا چاہیئے!" سیٹھ داؤد نے سندر سے سفارش کی "اس کی ساعری میں دم معلوم ہوتا ہے!"

"پھر ساحر کا باورچی بھی رہ چکا ہے" سندر بس جانی نے غور کرتے ہوئے کہا۔

"تو ایک چانس دے دو اس کو!"

"پر چانس ہے کدھر؟" سندر نے داؤد سے پوچھا۔ "بڑا پکچر تو خود ساحر لکھ رہا ہے!"

"تو چھوٹا والا اس کو دے دو۔ جو تم اگلے مہینے میں سٹارٹ کرتے ہو۔" داؤد ایسے بولا جیسے اس کا اگلی تصویر سے کوئی تعلق نہ ہو۔

"ہاں وہ چھوٹی تصویر، اس میں تم کو ٹرائی کر سکتے ہیں۔" سندر بس جانی نے مجھ سے کہا، جیسے مجھ پر بڑی مہربانی کر رہا ہو۔ "پر وہ بہت چھوٹی تصویر ہے اور اسی کو ہم اس لئے شروع کر رہے ہیں کہ جو نئے لوگ ادھر ادھر سے تمھاری طرح فلم کے کام کی تلاش میں آتے ہیں ان کا کچھ بھلا ہو جائے۔ اپنے کو کچھ کھانے کمانے کا نہیں ہے اس دھندے میں۔ دو چار لاکھ بھی بنا ڈالیں گے نئے لڑکوں اور لڑکیوں کو لے کر!"

"سب نوے لوگوں کو چانس دینا ہے ہم اس پکچر میں تم کو بھی لے لے گا۔" داؤد نے مجھے پچکار کے کہا۔ پھر سندر سے کہا۔ "اس کا کنٹریکٹ بنا دو جی ابھی!"

"ٹرم تو طے کر لیں!" سندر بس جانی کسی قدر کڑوے لہجے میں کہا۔ "ہم پچاس روپیہ ایک گانے کا دیں گے۔ ہے تو بہت کم۔ پر تمھاری پبلسٹی پر بہت خرچ کرے گا!"

"پبلسٹی کیا کرو گے؟" میں نے جل کر کہا۔ "یہی لکھو گے، کہ ہماری پہلی پکچر ساحر لکھ رہا ہے، دوسری اس کا باورچی"!

"تم تو خفا ہو گیا بینیٹ ماسٹر!" داؤد سیٹھ نے ہنس کر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کے کہا پھر سندر سے مخاطب ہو کے بولا۔ "ہم جانتا ہے یہ شاعر لوگ کا دل بہت پتلا ہوتا ہے۔ ذرا سی بات پر بھڑک جاتا ہے۔ اس کو اور وہسکی دو سندر!"

سندر نے میرے لئے اور وہسکی انڈیلی، اپنے لئے اور داؤد کیلئے کہ اسے پھر ہاتھ روک کے کہنا پڑا۔

"بس جانی!"

سندر نے غور سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم کہتا ہے کہ ایسی پبلسٹی کرے گا جس سے تمہاری اور ہماری بدنامی ہو۔ ہم تو کسی سے بولے گا تک نہیں کہ تم ساحر کے باورچی رہے ہو۔ ہم تو ساحر سے بھی نہیں بولے گا۔ ہم ایسا پبلسٹی کرے گا جیسے تم ساحر کے دوست رہ چکے ہو۔ لدھیانہ کے کلاس فیلو ہو۔ دونوں دوست، دونوں شاعر۔ اب دونوں ایک ہی فلم کمپنی میں دو الگ الگ پکچر کے گانے لکھتے ہیں۔ ایک نے لکھا تاج محل، اور دوسرے نے لکھا راج محل۔ پبلک ٹوٹ پڑے گی دیکھنے کے لئے کہ دونوں میں کون اچھا ہے۔ تم بات سمجھتے نہیں ہو کیا؟"

میں سمجھ گیا۔ سندر واقعی ٹھیٹھ بزنس مین تھا۔

"اور تمہارا نام بھی بدلنا پڑے گا!" داؤد سیٹھ بولے "یہ بینیٹ ماسٹر نہیں چلے گا۔ تمہارا نام رکھا جائے گا جیلی بھوپالی"!

"ہاں۔ بجلی بھوپالی۔" داؤد نے کڑک کر کہا اور پھر داد طلب نگاہوں سے سندر کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیوں؟"

"بجلی بھوپالی — لے، وَن نام ہے!" سندر بولا۔ "جب پبلسٹی میں آئے گا، سالا بجلی کے مافق چمکے گا! — بجلی بھوپالی — واہ!"

سندر سیٹھ نے داؤد سیٹھ کے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر کہا۔

"کیا آرٹسٹک نام دیا ہے۔ مانتا ہوں سیٹھ — آرٹ کے معاملے میں تمہارا دماغ بہت چلتا ہے۔"

"سالا ہم غلط لین میں آ گیا۔" داؤد کسی قدر اداسی سے بولا۔ "ہم کو ٹیم نہیں ملتا ہے بزنس سے۔ نہیں تو ہم سچ کہتا ہے ہمارا بھیجہ میں ایسا ایسا اسٹوری بھرا ہے کہ ایک دفعہ لکھ دیوے تو سارے رائیٹر لوگ کا گردن توڑ دیوے — اکھا رائیٹر بمبئی چھوڑ کے بھاگ جاوے۔"

وہ تھوڑی دیر چپ رہا۔ پھر بہت اداس ہو کے بولا۔

"پر کیا کرے۔ ہم کو اس دھندے سے ٹیم نہیں ملتا ہے۔"

سیٹھ داؤد کی آنکھ میں آنسو تھے۔

"بے شک، بے شک۔" سندر بسی جانی نے کہا۔ "تھوڑی دیر ہم دونوں اس آدمی کی ٹریجیڈی پر غور کرتے رہے جو رائٹر بنتے بنتے بزنس مین میں بدل گیا تھا۔ داؤد سیٹھ نے بھی جب مزید غور کیا تو اس میں کچھ زیادہ وزن نہ پایا۔ فوراً ایک لمبا گھونٹ لے کر موڈ بدلا۔ اور میری طرف بے حد ہشاش بشاش ہو کے بولا۔

ہماری بھی رکھنی پڑے گی!"

"کیا؟" میں نے داؤد سیٹھ سے پوچھا۔

"پیسہ ملے گا گانے کا پچاس روپیہ، پر رسید دو گے تم پانسو کی۔"

"وہ کیوں؟"

"ارے بابا!" سیٹھ داؤد نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "ہم تو یہ ٹرا پکچر شروع کر کے مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ کس کو کتنا بلیک دیوے اور کدھر کدھر اس کو ڈالے۔ اب تو یہ مصیبت ہے کہ کسی چوپڑی میں جگہ نہیں ہے۔ کسی مد میں اس کو نہیں ڈال سکتا اسلئے یہ نوا پکچر شروع کرتا ہے کہ تم نوے لوگ کو اس میں چانس دے گا اور تھوڑا بلیک ٹھیک کرے گا، ورنہ اپنے کو اس دھندے سے کچھ کمانے کا نہیں ہے!"

"سمجھ گیا۔" میں نے کہا۔ "تم نوے لوگ کو چانس دے گا اور پرانا بلیک ایڈجسٹ کرے گا۔"

"EXACTLY" سندریس جانی نے کہا۔

"تو میں جاتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

سندر نے جھٹ سے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔

"کدھر جاتا ہے؟"

"واپس فٹ پاتھ پر!"

"پاگل ہوا ہے؟"

"ہاں پاگل ہے ہم" "ہم پچاس لے گا تو پچاس کی رسید دے گا۔ ہم کالا دھندا نہیں کرے گا"

اس پر وہ دونوں پہلے تو چپ رہے پھر ایک دم زور زور سے ہنسنے لگے۔ اتنا ہنسے، اتنا ہنسے، اتنا ہنسے، کہ ان کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ ہنستے ہنستے وہ دونوں میری طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرتے جاتے تھے اور کہتے تھے۔

"بالکل بچہ ہے"

"ایک دم کچا ہے"

"سالا گدھا ہے"

"نرا اُلو کا پٹھا ہے"

"سالا تم کس دنیا میں رہتا ہے" سیٹھ سندر داس جانی نے ایک بیزار کن نفرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم مجھ کو ایک چھوٹے دھندے کا نام بتاؤ، ایک چھوٹے دھندے کا، جو کالے کے بنا چلتا ہو۔ بس ایک چھوٹے دھندے کا نام ——— تو میں تمہارے پیشاب سے اپنا شیو کر لوں گا"

"رسید کے بغیر میں آپ کو اس کی بھی اجازت نہیں دوں گا" میں نے غیور لہجے میں جواب دیا۔ "میرا پیشاب کوئی ڈاڑھی صاف کرنے کا صابن نہیں ہے"

وہ حیرت سے میرا منہ دیکھنے لگے۔ ایسے جیسے کسی پاگل کو پاگل خانے میں دیکھ رہے ہوں۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ آیا وہ جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ واقعی ان کے سامنے کرسی پر موجود ہے۔

"میں اپنے اصول نہیں توڑ سکتا" میں نے بڑی سختی سے کہا۔
"ہم اپنے نہیں توڑ سکتے" سندر بس جانی نے مجھے جواب دیا۔
"تو میں جاتا ہوں"
"تو جاؤ" سندر بولا۔
میں اٹھنے لگا تو سیٹھ داؤد بولا۔
"پھر یہ تیلگانہ تو دیتے جاؤ۔ چلو ہم تم کو اس کے پچاس کے بدلے پچھتر دیں گے۔ اور پانسو کے بدلے تین سو کی رسید لیں گے"
"جی نہیں" میں نے کہا "میں اس گانے کے سو روپے لوں گا۔ اور سو کی رسید دوں گا۔ بس!"
دونوں نے ایک دوسرے کی طرف مایوس ہو کے دیکھا۔ اتنے میں سیٹھ داؤد نے پھر کوئی خفیہ اشارہ کیا۔ سندر نے جیب سے سو کا ایک پتہ نکال کے میری طرف بڑی بیزاری سے پھینک دیا۔ میں نے سو روپیہ جیب میں رکھا، رسید لکھ کے دی، گانا لکھ کے دیا اور پتلون جھاڑ کے اٹھ کھڑا ہوا۔
اتنے میں پلٹو نے دروازہ کھولا۔ اس کے پیچھے پیچھے دو نہایت شاندار لڑکیاں نہایت شاندار ساڑھیوں میں ملبوس اٹھلاتی ہوئی بل کھاتی، لچکتی، سمٹتی، ہنستی، مسکراتی بغیر کسی تمہید و تعارف اور نوٹس کے داخل ہوئیں۔ ان دونوں کی ساڑھیوں کے گرد چھ چھ فٹ تک کسی عمدہ خوشبو کا ایک نہ دکھائی دینے والا ہالہ لرز رہا تھا۔ انھیں دیکھ کر داؤد اور سندر دونوں اپنے صوفہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں تو خیر پہلے سے کھڑا تھا۔ ان میں سے ایک لڑکی جو دوسری سے

قد میں زیادہ لمبی اور نازک سی تھی اور لباس بھی زیادہ شاندار پہنے ہوئے تھی۔ میری طرف دیکھ کے کچھ ہچکچائی، پھر مڑ کر اپنی سہیلی کا تعارف کرانے لگی۔

"یہ میری سہیلی جیوتی ہے۔ آج ہی جبل پور سے آئی ہے۔ اسے فلم میں کام کرنے کا بہت شوق ہے۔"

دونوں سیٹھوں نے بہترین مسکراہٹ سے ان دونوں کا استقبال کیا، پھر پہلی لڑکی نے غور سے میری طرف دیکھا۔

سندر نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"یہ ساحر کا باورچی ہے۔"

میں جلدی سے ہاتھ جوڑ کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ تیز تیز قدموں سے واپس لوٹ رہا تھا اور میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ یکا یک میرے عقب میں لڑکیوں کی ہنسی اور قہقہے کا اک طوفان سا برپا ہو گیا۔ وہ لوگ کسی بات پہ اتنے زور سے ہنس رہے تھے، سیٹھوں کے قہقہے بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ کیا وہ لوگ میری حماقت پہ ہنس رہے تھے۔ ایسا چانس کوئی احمق ہی رد کر سکتا ہے۔ پلٹو کیا کہے گا؟ بے چارے نے کیسا کیسا فراڈ کر کے مجھے کام دلوا ہی دیا تھا۔ فلم میں پہلا چانس، اور میں کیسا احمق ہوں، بالکل کہیں پہ اپنے آپ کو ایڈجسٹ نہیں کر سکتا۔

او مینٹل ماسٹر! یہ اصول تیرے کس کام کے ہیں؟ — کیا تو انھیں چاٹ سکتا ہے، کیا ان کی بیچ بنا کے جلا سکتا ہے، کیا انھیں کھا سکتا ہے، ان کو ایک گدے کی طرح اپنے فٹ پاتھ پہ بچھا سکتا ہے؟

کیا ان اصولوں سے ان لڑکیوں کی خوشبو آتی ہے جن کے قہقہے
اب تک تیرے کانوں میں گونج رہے ہیں؟ ——— پھر کب تک
ان اصولوں کا کفن سر سے باندھے آرزوؤں کے میلے میں گھومے گا؟
اب بھی پلٹ جا اور دستخط کر دے اس کنٹریکٹ پر اور شامل ہو جا
اس حمام میں ———
جہاں سب ننگے ہیں!

"سو کا نوٹ دکھاؤ" عبدل بولا۔

ایک مہینہ حوالات میں رہ کر عبدل اور باسکو، دونوں فٹ پاتھ پر واپس آ گئے تھے۔

پانچ نوفر پھر اکٹھے ہو گئے تھے۔

عبدل اور باسکو پر پولیس نے مقدمہ چلایا تھا، پھر مجسٹریٹ نے دونوں کو بری کر دیا، کیونکہ مقدمہ جھوٹا تھا۔ سداشیو سنتری کو انسپکٹر نے ماہم کے چوک سے تبدیل کر دیا تھا۔ اس کی تنزلی بھی ہوئی تھی۔ سداشیو کی جگہ اب بھاسکر آ گیا تھا۔

میں نے سو کا نوٹ عبدل کے ہاتھ میں دیا۔

عبدل نے اسے روشنی کے سامنے رکھ کر دونوں طرف سے الٹ پلٹ کے دیکھا، پھر بولا۔

"ٹھیک ہے، سو کا نوٹ ہے۔"

عبدل ایرانی ہوٹل والے کے ہاں بیرا رہ چکا تھا۔ اس نے کئی بار سو کا نوٹ دیکھا تھا۔

"مجھے دکھاؤ۔"

باسکو نے بھی اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

"سالا یہ ہم بھی اس کو دو تین بار چوری میں مل چکا ہے۔"
باسکو نے نوٹ کو بڑے شبہے کی نظروں سے دیکھا اور بولا۔
"مجھ کو تو جعلی لگتا ہے۔"
"مجھے دکھاؤ۔" تانتیا جیب کترا باسکو کے ہاتھ سے نوٹ لے کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایک دم جعلی ہے۔"
"جعلی نہیں ہے اصلی ہے۔" عبدل نے دعویٰ کیا۔
ہم سب پریم ورما کی طرف بڑھے۔
تانتیا نے نوٹ پریم ورما کے ہاتھ میں دیا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کہیں نوٹ جعلی نہ نکل جائے۔ سب کی نگاہوں میں ایک ہی سوال تھا۔ اے خدا اگر یہ جعلی ہے تو بھی اسے اصلی کر دے۔ ایک ہی رات کے لئے اصلی کر دے۔ تجھ سے کیا یہ ممکن نہیں ہے اے خدا۔ اگر تو جعلی اور نقلی لوگوں کو عزت بخش سکتا ہے تو ایک نقلی نوٹ کو ایک رات کے لئے اصلی نہیں کر سکتا؟
پریم ورما نے ایک لمحہ کے لئے نوٹ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اُلٹ پلٹ کے دیکھا، پھر مسکرا کے کہنے لگا۔
"اصلی ہے۔"
سب نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا۔ پریم ورما پر سب کو بھروسہ تھا۔ اگر پریم ورما اپنے زمانے میں لاکھوں کمانے والا ہیرو سو کے نوٹ کی پہچان نہیں کر سکتا تو اور کون کر سکتا ہے۔
"مجھے بھی دو۔"
جمنا نے کانپتے ہوئے دونوں ہاتھ اس کی طرف بڑھائے اور

اسے ایک بچّہ کی طرح اُچک لیا۔
"کسی نے آج تک مجھے سَو کا نوٹ نہیں دیا۔ مجھے چھو لینے دو ۔۔۔"

دونوں ہاتھوں میں سَو کا نوٹ لے کر جمنا نے بڑے پیار سے اسے اپنے گلے سے لگا لیا، اپنے گال سے لگا لیا، اس کی دونوں آنکھیں بند ہو گئیں۔ ان بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے کچھ کہے بغیر نوٹ میرے ہاتھ میں واپس دے دیا۔

"اس نوٹ سے جمنا کی شادی ہو گی"، میں نے اعلان کیا۔
سب حیرت سے میرے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔ سَو کا نوٹ ہاتھ میں دیکھتے ہوئے مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا دل آسمان کی طرح وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

"میں آج یا جوگے سب دنٹ پاتھیوں کو کھانا کھلاؤں گا ۔۔ بڑی دھوم دھام سے جمنا کی شادی ہو گی۔"
جمنا کے چہرے پر خوشی، لالچ، خوف، یقین، شبہے کے مختلف رنگ آ جا رہے تھے ۔۔ کبھی ایسا لگتا جیسے ہنسنے کو ہے تو کبھی ایسے جیسے رونے کو ہے۔ وہ اِدھر اُدھر ہم سب کو دیکھ رہی تھی۔

"سالی کے پاس ایک نوی ساڑھی تو ہے نہیں"، تانتیا بولا۔
"میں ایک لال رنگ کی ساڑھی لاؤں گا اس کے لئے۔ اور لال رنگ کی چوڑیاں اور سیندور ۔۔ بڑی شان سے شادی ہو گی اس کی ۔ سارا فٹ پاتھ دیکھے گا۔"
مسرّت سے جمنا کی آنکھیں چمکنے لگیں ۔۔ بولی۔

"بینڈ باجہ آئے گا؟"

"ضرور آئے گا۔" میں نے کہا۔

"اور باراتی؟"

"باراتی بھی ہوں گے۔" میں نے طے کر دیا۔

"اور دُولھا گھوڑے پر؟" جمنا خواب دیکھ رہی تھی۔

"دُولھا بھی گھوڑے پر آئے گا۔" میں نے پریم ورما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھولوں کا سہرا پہنے؟" جمنا اپنے خواب میں کھو گئی تھی۔

"اور لڑکیاں گیت گائیں گی۔ اور مجھے سجا کر شادی کے منڈپ میں لے جائیں گی..."

جمنا خوشی سے سسکنے لگی۔

پریم ورما آگے کھسک آیا اور جمنا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بولا۔

"جیسے تم چاہو گی ویسے ہی ہو گا۔"

اس کی آواز میں ایک عجیب سا درد تھا۔

"بلڈی فول!" باسکو چونس کے بولا۔ "سو روپیہ میں یہ سب کچھ کیسے ہو گا؟"

"ہونا ہی پڑے گا۔" تانتیا بولا۔

"ہونا ہی منگتا۔" عبدل نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کے کہا۔

پریم ورما نے مجھ سے کاغذ پنسل مانگ کر حساب لگانا شروع کیا۔

"سترہ روپے کی ساڑھی آئے گی! لال رنگ کی۔" میں نے کہا۔

"نہیں۔" جمنا بولی۔ "میں سلک کی ساڑھی لوں گی۔ آج تک

کبھی نہیں پہنی۔"

"ململ کی ساڑھی تو پینتیس میں آ جائے گی۔" میں نے کہا۔

درما نے پینتیس لکھ لیے۔

"اور عمدہ والی چوڑیاں۔ ایک درجن، بڑھیا ہوں ہاتھی دانت کی لال چوڑیوں کی طرح چھم چھم کرتی ہوئی اور بلوج (بلاؤز) بھی لال ریشم کا ہو، اور مانگ میں سیندور اور چوٹی پھولوں سے گندھی ہوئی۔ اور ..." جمنا اپنے ننگے ہاتھ دیکھ کر کہنے لگی۔ "اور ایک سنہری انگوٹھی اس ہاتھ میں اور ایک اس ہاتھ میں۔ اور گلے میں ہار۔ چاہے نقلی موتیوں کا ہو، اور کانوں میں جھمکے ... ہائے ..." کہہ کر جمنا نے شرم سے ساڑھی کا پلّو اپنے دانتوں میں لے لیا۔ مجھے اس کی یہ ادا بہت اچھی لگی۔ اس ایک لمحے میں جیسے اس کے چہرے کا سارا ٹیکا پن اور طوائف پن نکل گیا۔ اس ایک لمحہ میں وہ ایک ادن چھوٹی دوشیزہ کی طرح معصوم اور بھولی تھی میں حیرت سے اسے تکتا ہی رہ گیا۔ کہاں چھپا رکھا تھا اس جمنا نے اس جمنا کو۔ دل کے کس گوشہ میں، روح کی کس گہرائی میں اور کہاں سے آتا ہے یہ لمحہ ... دن کو فٹ پاتھ پر سونے والی، رات کو دھندا کرنے والی نیچی گھٹی چھاتیوں ماری چڑیل خاک میں اٹی، مایوسی سے میچی، بے رحم بے سروسامانی کی ماری بدروح پر یہ ایک لمحہ آتا ہے جنت کے پرندے کی طرح اپنے پر کھول کر اس طرح پھیلا دیتا ہے کہ ہم خاک نشینوں کی زندگی کا ذرہ ذرہ جگمگانے لگتا ہے۔ اس لمحہ میں یقین ہوتا ہے کہ انسان مٹی سے نہیں،

آگ سے بنا ہے۔

"اور باراتیوں کے لیے نئے کپڑے کہاں سے آئیں گے؟" تانتیا نے پوچھا۔ "یہ گندے میلے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر ہم لوگ بارات میں جائیں گے؟"

"برائڈ گروم کا بھی ایک جوڑا ہونا مانگتا۔ کوٹ، پینٹ، ٹائی۔" باسکو بولا۔

"نہیں" جمنا بولی۔ "اچکن، چوڑی دار پاجامہ اور اچکن کی بانہوں سے قمیص کے کف نکلتے ہوئے، جیسے فلم میں ہوتا ہے۔" عبدل نے کہا۔

"اور باراتیوں کو کھانا نہیں دیں گے؟ آج جو باجے کے فٹ پاتھیوں کو بلاؤ گے تو چالیس پچاس تو ہو جائیں گے۔ قورمہ، بریانی، دال اور روٹی کا بھی حساب لگا لو۔"

"اور پنڈت جی کی فیس؟" تانتیا نے کہا۔ "سب حساب کر لو۔"

پریم ورما نے مایوس ہو کر کاغذ پنسل زمین پر رکھ دی۔

اب وہ سو کا نوٹ بہت چھوٹا معلوم ہو رہا تھا۔ کاغذ کا ایک پرزہ حقیر اور بے بضاعت۔ اپنی ساری زندگی خوابوں کو کاٹ کر چھوٹا کرنے میں گذرتی ہے۔ کاٹ کاٹ کر اتنا چھوٹا کرتے رہتے ہیں کہ وہ سو کے نوٹ میں سما سکیں، دس کے نوٹ میں، ایک روپے کے نوٹ میں۔ کبھی یہ خواب خالی معدے میں چھپانے پڑتے ہیں وہ سماج کہاں ہے جو خوابوں کے ساتھ چلے؟ میں سوچنے لگا۔

"شادی تو ضرور ہو گی۔" میں نے لوفروں کی طویل خاموشی کو

توڑتے ہوئے کہا۔

تماننیا زور سے ہنسا۔ اس کی ہنسی بڑی تلخ تھی۔

"ہاں ہوگی۔ جیسے میری ماں کی ارتھی اُٹھی تھی۔"

جمنا نے کانپ کر اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ہم سب کے چہرے شرم سے جھک گئے۔

یکایک عبدل ہمارے بیچ میں سے اٹھا، اور اٹھ کر سڑک کراس کر کے دوسرے فٹ پاتھ کی ریل پیل میں غائب ہوگیا ہم سب اس کی طرف دیکھتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک لمبے کُھترے کالے لڑکے کو لے کر آیا جو عجیب طریقہ سے جھک جھک کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا تھا اور عجیب طرح سے شرما کے ہنستا تھا۔

"یہ رجاک ہے"۔ عبدل نے تعارف کرایا۔ "اپنے گاؤں کا ہے۔ یہ بولتا ہے سادی کے سب کپڑے ہم دے گا"۔

"کدھر سے دے گا؟" باسکو نے پوچھا۔ "کیا کسی ٹیلر کے ہاں کام کرتا ہے؟"

"نہیں"۔ رجاک شرما کر بولا۔ "ہم ادھر ـــــ" رجاک نے دوسرے فٹ پاتھ کی طرف اشارہ کیا۔ "اے وَن لانڈری میں رات پالی کرتا ہے۔ سام پانچ بجے سے ایک بجے تک کپڑے استری کرتا ہے۔ پھر لانڈری بند کر کے ادھر ہی چبوترے پہ سو جاتا ہے۔ صبح لانڈری کا مالک خود آکے چابی ہم سے لے کے لانڈری کھولتا ہے۔ کپڑوں کا حساب کر کے روج کا روج پیسہ دیتا ہے"۔

"تم کپڑا دے گا؟" تماننیا نے اس سے پوچھا۔

"عبدل کی بچتے داری پر دے گا۔ کیوں عبدل؟" رجاک شرما کر ہنسا۔ اور ہنس کر شرمایا اور بڑے بے ڈھنگے پن سے اپنی کالی کالی ٹانگیں ایک دوسری سے کھجلانے لگا۔ مجھے اس کا بے ڈھنگا پن بہت پسند آرہا تھا۔

"تم کو بولا ناں؟" عبدل کہنے لگا۔ "کھالی ایک رات کی بات ہے۔ صبح تم کو سب کپڑے واپس دیگا۔"

"ٹھیک پانچ کلاک پر ہم کو کپڑا مل جائے گا تو ہم ان کو پھر سے استری کر کے صبح تک کانچ کی الماری میں لٹکا دے گا۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا، نہیں تو ہم آفت میں پڑ جائے گا۔" رجاک نے تنبیہ کی۔

"ہو! ملے گا۔ مارننگ میں پانچ بجے برو بر سب کپڑا واپس تم کو ملے گا۔"

باسکو نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اب وہ بھی موڈ میں آرہا تھا۔

"تم کو کیا کیا منگتا؟"

باسکو بولا۔ "میرے لئے شوٹ، پینٹ، بو اور کوٹ۔"

"بو ہمارے پاس نہیں ہے۔" رجاک نے سر سے پاؤں تک اسے دیکھ کر کہا۔ "باقی سب ملے گا۔"

تانتیا نے کہا۔ "ہم کو لکھنؤ کا ڈریس بہت اچھا لگتا ہے چکن کا کرتہ، پھول والا چیٹا چیٹا پاجامہ اور سر پر ٹیڑھی ٹوپی، منہ میں پان اور کان میں عطر کا پھویا۔ واہ..."

"ملے گا۔" رزاق نے اس کے جسم کا جائزہ لے کر کہا۔ "پر

ٹوپی نہیں ہے۔"

"دانڈہ نیئی! ٹوپی کے بغیر بھی چلے گا!" تانتیا بولا۔

"اور تم؟" رزاق نے پریم درما کی طرف دیکھا۔

"یہ تو دولہا ہے۔" عبدل بولا اور سب ہنس دیئے۔

یکایک رزاق نے چٹکی بجائی۔ جیسے کوئی عمدہ خیال اس کے دماغ میں آیا ہو۔ بولا۔ "تم سب لوگ باری باری رات کو بارہ بجے کے بعد اے ون لانڈری میں آجاؤ۔ اور اپنا اپنا کپڑا ٹھیک کر جاؤ —— شادی کب ہے؟"

"کل ہے۔" میں نے کہا۔

"اور کل تک سارا پسند کا کپڑا اگر ایک لے گیا تو تم کیا کرے گا؟" باسکو نے پوچھا۔

"میں بول دوں گا یہ کپڑا پھر سے استری کرنے کا ہے! —— تم لوگ باری باری بارہ بجے کے بعد میری دکان پہ آؤ۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر ہنسا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا واپس دو نمبر فٹ پاتھ پہ چلا گیا۔

"کپڑا تو ٹھیک ہو گیا۔" عبدل نے فتحمند نگاہوں سے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دلہن کا کپڑا بھی وہی دے گا، ایک سے ایک بڑھیا ساڑھی ہے اس کی دکان پہ —— میں خود اپنی آنکھ سے دیکھ آیا ہوں۔ ہنجار ہنجار کی ساڑھی ہے، سونے چاندی کا کام ہے۔ بلائتی کپڑا ہے۔ میں کھود دیکھ کے آیا ہوں۔"

"پر ابھی بہت کام باقی ہے۔" تانتیا نے عبدل سے کہا۔ "بینڈ ماسٹر

کدھر سے آئے گا؟"

"یہ بینیڈ ماسٹر سے پوچھو" باسکو بولا "بغل کی گلی میں اس کا یار گوبردھن بینیل بینڈ ماسٹر رہتا ہے۔ اس سے کبھی کبھی ناول لے کے پڑھتا ہے۔ بلا ڈی پاتسر یہ کس رُوج ہمارا کام کرے گا؟"

میں نے باسکو سے کہا۔

"تم ابھی ہمارے ساتھ چلو۔ ابھی بات کرتے ہیں"

"چلو"

ہم لوگ بغل کی گلی میں گوبردھن بینڈ ماسٹر کے گھر چلے گئے۔ اس کی دکان گلی میں کھلتی تھی۔ دکان کے پیچھے اس کا گھر تھا۔ اس کی دکان ابھی تک کھلی تھی اور گوبردھن بینڈ ماسٹر ابھی تک دکان پر کسی نئی دھن کی پریکٹس کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو سردار بھی مشق کر رہے تھے۔ بچن سنگھ کے ہاتھ میں ٹرمپٹ تھا اور ہرچرن سنگھ کے ہاتھ میں کلارنٹ ـــــ دھن کے بول تھے:

"کاہے کرتا دیر براتی ... کاہے"

"دیر براتی دیر براتی، بچن سنگھ تو ٹرمپٹ سے ٹھیک ادا کر رہا تھا مگر ہرچرن سنگھ کے کلارنٹ سے "دیر براتی" کا ٹکڑا ٹھیک سے ادا نہیں ہو رہا تھا۔ پریشان ہو کر ٹرمپٹ والا بچن سنگھ بولا۔

"اوئے ہرچرنیا نکال اس دخیل براتی کو باہر۔ کب سے تیری کلارنٹ میں پھنسا ہے"

ہمیں آتے دیکھ کر گوبردھن نے سکھانا بند کر دیا۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ باسکو کو دیکھ کے بولا۔

"کدھر دھاوا بولنے کا ہے؟"

"تمہارے گھر آیا ہوں" باسکو نے ڈٹ کے جواب دیا۔

"اپنے گھر میں پیتل کے باجوں کے سوا کیا ہے؟"

"وہی چاہیے"

"کیا؟"

میں بولا:

"تمہارا بینڈ چاہیے۔ فٹ پاتھ پر ایک شادی ہے"

"کس کی؟"

میں نے باسکو کی طرف دیکھا، باسکو نے میری طرف دیکھا۔ میں نے کہا۔

"بہن کی"

"تمہاری بہن" گوبردھن نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ "تمہاری کوئی بہن تو فٹ پاتھ پہ نہیں رہتی"

"وہ جمنا ہے ناں؟" باسکو جلدی سے بولا۔

"وہ رنڈی؟"

بے اختیار گوبردھن کے منہ سے نکلا۔ مگر میرا غصہ سے لال چہرا دیکھ کر وہ آگے کچھ نہ بول سکا۔ میرا منہ دیکھنے لگا۔ میں نے کہا۔

"وہ کوئی بھی ہو۔ اس کو میں نے بہن بولا ہے۔ ہاں تیرا بینڈ چاہیے۔ اور پیسہ ایک نہیں دوں گا۔ مفت میں آ کر فٹ پاتھ پر بینڈ بجانا ہوگا۔ بول کیا بولتا ہے؟"

گوبردھن نے کہا۔ "آج کل لگن کا ٹائم ہے۔ روز شادی ہوتا ہے۔

کل کا دن بُک ہے"

"اور پرسوں؟" میں نے پوچھا۔

"پرسوں بھی بُک ہے" گوبردھن بولا "اگلے پندرہ دن بُک ہیں۔"

"چلو چلیں"

باسکو مجھے گھسیٹ کر دکان کے نیچے اُتار لایا۔

ہم لوگ ابھی گلی کے باہر نہ نکلے تھے، کہ ٹرمپیٹ والا سردار بچن سنگھ دوڑتا ہمارے پاس آیا اور میرے شانے پر تھپکی دے کر بولا۔

"جوان تُونے رنڈی کو بھی بولا، بہت بڑا جگرا ہے تیرا۔ تُو مرد کا بچّہ ہے۔ ہم تیرے واسطے مفت بینڈ لادے گا۔"

"کدھر سے؟"

"میں ٹرمپیٹ بجاتا ہوں۔ ہرچرن کلارنٹ بجائے گا۔ چار پانچ ہمارے اور دوست ہیں۔ پر ابھی ہم سب سیکھتے ہیں۔"

"فائدہ نہیں" باسکو بولا "بینڈ دِکھنا چاہیئے۔"

"اور دِکھے گا" بچن سنگھ ہنس کے بولا "شاندار بینڈ دِکھے گا۔ پر ایسا ہے کہ دھنوں میں ہم لوگ ابھی کچّا ہے۔"

"کوئی مضائقہ نہیں" میں نے بچن سنگھ سے کہا "مگر بینڈ دکھائی دینا چاہیئے اور زور کا بجنا چاہیئے۔ بہت زور کا۔"

"وہ زور کا بجے گا کہ اُجو باجو کی سب کھڑکیاں ٹوٹ جائیں گی۔"

بچن سنگھ نے ہنس کر کہا۔ اور زور سے مجھ سے اور باسکو سے ہاتھ ملایا۔ اور پھر آخر میں اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا "میرا نام بچن سنگھ ہے۔ وہ دوسرا سردار میرا بھائی ہے۔ اس کا نام ہرچرن سنگھ ہے ـــــ تم

کون ہو؟"

"میں باسکو ہوں۔ اور یہ۔۔۔"

باسکو میرا تعارف کرانے لگا تو چمن سنگھ نے ہنس کر اُسے روک دیا۔

"ان کو بھی جانتا ہوں۔ گوبر دھن ماسٹر بتاتا تھا کہ تم کہانیاں لکھتے ہو"

"کبھی کبھی!"

"ایک کہانی میری بھی لکھ دو" وہ سردار شرما کر بولا "ہم تم کو اپنا قصہ سنائے گا۔ ایک لڑکی کے سنگھ ہم کو لَو ہو گیا تھا!"

"لکھ دوں گا" میں نے وعدہ کیا۔

اس نے کل رات ایک بجے بینڈ لے کر آنے کا وعدہ کیا اور واپس گلی میں چلا گیا۔

راستے میں تانتیا آتا ہوا ملا۔ بولا۔

"میں حمید ے عطر والے کو ٹھیک کر کے آیا ہوں۔ وہ کل دولھا دلہن کے مفت عطر لگائے گا۔ اور ایک چھوٹا عطر کا بار رانیوں کو دے گا"

باسکو خوشی سے ہوا میں اُچھلا اور اُچھل کر فٹ پاتھ کے کنارے اُگے ہوئے جامن کے ایک پیڑ کے ڈال سے لٹک گیا اور جھولنے لگا۔ چند لمحوں کے بعد وہ ڈال اس کے وزن سے کڑکڑا کر نیچے گر پڑا۔ دھم سے باسکو نیچے آن پڑا۔

میں اور تانتیا ایک دوسرے کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ہنسنے لگے۔ باسکو کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور ہمارے ساتھ مل کر زور زور سے ہنسنے لگا

سب سو گئے۔ رات کے دو بجے مجھے پیاس لگی۔ میں پیاس بجھانے بیسٹ ٹیکسی کے اڈے کے نل سے پانی پینے کے لئے اٹھتا ہوں۔

سب سو رہے ہیں۔ صرف کوڑھی جان کھانس رہا ہے۔ اسے دو روز سے بخار ہے اور کھانسی ہے اور اس کی آنکھیں لال لال رات کے اندھیارے میں بڑی خوفناک معلوم ہوتی ہیں۔

تانتیا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ دونوں ٹانگیں بھی کھلی ہیں ۔۔ وہ ایک ایسے بٹوہ کی طرح خاک پر پڑا ہے جیسے کسی جیب کترے نے دونوں طرف سے کھول دیا ہو۔

جمنا پریم ورما کے قدموں میں پڑی ہے۔ اس کا ایک ہاتھ پریم ورما کے پاؤں پر ہے، دوسرا اپنے سینے پر۔ سوتے میں اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ہے۔

لوہے کے جنگلے کے پاس باسکو دو زانو ہو کر مریم سے مخاطب ہے۔ اس کی بھاری پاٹ دار آواز لرزتی ہے اور کہتی ہے۔

" ہولی مدر ۔۔ ہم سب باسٹرڈ ہیں ۔۔ جمنا از لے بلاڈی بچ۔ ۔۔ مگر ہولی مدر ۔۔ ہم تیرا پاؤں چاٹتا ۔۔ اس کا گناہ معاف کر دے ۔۔ اس کا شادی بنا دے ۔۔ ہولی مدر ۔۔ ہم تیرا پاؤں چاٹتا۔"

باسکو بالکل زمین پر جھک گیا ہے۔

اور جب سر اٹھاتا ہے تو اس کے ہونٹوں پر مٹی لگی ہے، اور وہ

دونوں ہاتھوں سے مومی شمع کی لَو کو ہوا کے حملہ سے بچاتے ہوئے انتہائی وارفتگی اور پرستش کے عالم میں ہولی مدر کی طرف دیکھ رہا ہے اور وہ اپنے ہونٹوں کی مٹی چاٹ رہا ہے ـــــ اور بہت مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔

جب میں بیسٹ ٹیکنیقی کے نل سے پانی پی کے لوٹتا ہوں، تو پاسکو دعا کر کے سوچکا ہے۔

بُوڑھی جان ابھی تک جاگ رہا ہے اور کھانس رہا ہے، اور مجھے دیکھ کر رُک جانے کو کہتا ہے۔

اس کے چہرے سے ایسا لگتا ہے کہ اسے شدید بخار ہے۔ اس کا سارا جسم کانپ رہا ہے۔

"کیا ہے؟"

میں بڑی سختی سے اس سے پوچھتا ہوں۔

وہ کانپتے ہاتھوں سے اپنی گدڑی میں ہاتھ ڈال کر ٹٹول ٹٹول کر کچھ نکالتا ہے۔

پھر اس کی ہتھیلی میرے سامنے پھیل جاتی ہے۔

"یہ دس روپے ہیں، میری طرف سے ـــــ جمنا بیٹی کی شادی کے لئے ..."

اس کی ہتھیلی کانپ رہی ہے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہیں۔ ایک ایک کر کے روپے اس کی ہتھیلی سے نیچے دنٹ پاتھ پر گرنے لگتے ہیں۔ میں انھیں چننے لگتا ہوں۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ جی چاہتا ہے رو دوں۔ رو بھی نہیں سکتا۔ بے اختیار اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے

کے لئے آگے بڑھتا ہوں — ایک چیخ مار کر جان: پیچھے ہٹ جاتا ہے اور دونوں ہاتھوں سے مجھے منع کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"میں کوڑھی ہوں۔ میں کوڑھی ہوں"

"کاش تیرا کوڑھ ساری دنیا کو لگ جائے — کوڑھی جان! تو خدا کا بیٹا ہے — اپنا ہاتھ مجھے چوم لینے دے!"

ہوتے ہوتے جمنا کی شادی کی خبر پھیلنے لگی۔
ایرانی ہوٹل کے مالک نے عبدل کو بلایا۔ ایرانی مشہد کا رہنے والا تھا۔ اور ہر تیسرے چوتھے سال اپنے وطن ایران جاتا تھا اس کے ہوٹل میں دوسرے ایرانی ہوٹلوں کی طرح شاہ ایران اور ملکہ فرح دیبا کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ معاملہ کا بے حد کھرا مگر بے حد کنجوس آدمی مانا جاتا تھا۔
"یہ شادی کہاں ہوگی؟" ایرانی نے عبدل سے تفصیلات دریافت کرتے ہوئے پوچھا۔
"چوک میں!"
"کہاں پر؟"
"جہاں پر ٹریفک کا تکونا ہے اس کے اندر..."
ماہم کے چوک میں ٹریفک کی ایک تکون ہے۔ جس کے گرد تین طرف سے آنے والا ٹریفک گھومتا ہے، مگر تکون کے اندر کوئی قدم نہیں رکھ سکتا، اس لئے شادی کے لئے سب سے محفوظ جگہ یہی خیال کی گئی۔
"کس وقت شادی ہوگی؟"

"رات کے دو بجے، جب چوک خالی ہوتا ہے"

"مگر جھنڈیاں تو 'ٹاپ ٹاپ' ماسٹر والی دکان کے اندر لگی ہیں بلکہ برآمدہ میں!"

عبدل کچھ شرمایا۔

"بات یہ ہے سیٹھ!"

وہ رک کر بولا۔

"منتری ٹاپسیٹ نے ہم کو بولا ہے کہ آج رات کو دو لھا دلہن میری دکان کے برآمدے میں سو سکتے ہیں، اس لئے ہم نے اس جگہ کو جھنڈیوں سے سجا دیا ہے"

"باراتی کتنے ہوں گے؟"

"باراتی کا نمبر ایک سو سے اوپر جائے گا — آج یا جو کے فٹ پاتھ والے سب آ رہے ہیں"

"تم سب کو کھانا کھلائے گا؟"

"ہاں"

"کدھر سے کھلائے گا؟"

"پچاس کا آرڈر تو سیٹھ تمہارے ہوٹل میں دیئے لا ہے"

"ہاں۔ جبھی تو ہم کو پتہ چلا — باقی پچاس کو تم کھانا کدھر سے کھلائے گا؟"

عبدل چپ رہا۔ پھر اوپر چھت کی طرف دیکھ کر بولا۔

"وہ اوپر والا دے گا — نہیں تو تھوڑا تھوڑا کر کے بانٹے گا۔ شاید ہم سات آٹھ آدمی بھوکا بھی رہے گا — پر سب کی کھاطر

کرے گا۔"

ہوٹل کے مالک نے مسکرا کر کچھ کہنا چاہا۔ پھر ایک دم اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا آہستہ سے بولا۔

"اچھا۔ تم جاؤ۔۔۔"

عبدل واپس جانے لگا۔ وہ ہوٹل کے دروازہ سے باہر نکل رہا تھا کہ مالک نے اسے آواز دے کر واپس بلایا۔

"سنو!"

عبدل واپس آیا۔

ہوٹل کے مالک نے جلدی جلدی کہا۔

"اچھا۔ باقی پچاس کا کھانا ہم دے گا۔"

اتنی جلدی اس نے یہ الفاظ ادا کئے جیسے اسے خود اپنی کنجوسی سے ڈر لگتا ہو، اور اب کہدیا تو طے ہو گیا۔

عبدل کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے تشکر آمیز نگاہوں سے ہوٹل کے مالک کی طرف دیکھا، مگر وہ اپنے کاؤنٹر پر سر جھکائے بڑے انہماک سے چینج "Change" گننے میں مصروف تھا، اور کسی طرح عبدل کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

عبدل یکایک پلٹا اور کچھ کہے سنے بغیر تیزی سے ہوٹل کے باہر چلا گیا۔ تیزی سے بھاگتا ہوا چوک کراس کرکے اپنے فٹ پاتھ پر چلا آیا اور آتے ہی چلا چلا کر ہمیں یہ خوش خبری دینے لگا۔

آناً فاناً ایرانی کی فیاضی کی خبر دونوں طرف فٹ پاتھ پر پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق مبارکباد دینے کے لئے آنے لگے۔ جمنا شرما کر ایک

کمرے میں بیٹھ گئی تھی، گھونگھٹ کاڑھ کر!

تھوڑی دیر میں تانتیا بھی ہنستا مسکراتا باچھیں کھلاتا آن پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں گہنے کے تین ڈبے تھے۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ سے جمنا کو بلایا جو کمرے کے جنگلے سے ٹیک لگائے سکڑی سمٹی بیٹھی تھی

"یہ کیا ہے؟" پریم ورما نے پوچھا۔

تانتیا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

جب جمنا بھی ہماری ٹولی میں کھسک کر آگئی تو اس نے ڈبے کھولنے شروع کیے۔

پہلے ڈبے میں میناکاری کے کام کا جھم جھماتا ہوا ایک گلوبند تھا جس میں موتیوں کا ایک لاکٹ لگا ہوا تھا۔ ڈبہ کھلتے ہی جیسے سب کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ مارے خوشی کے جمنا کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔

تانتیا نے دوسرا ڈبہ کھولا، اس میں اسی ڈیزائن کے ہاتھ کے کنگن تھے۔ رنگا رنگ کے نگوں سے جڑے ہوئے۔ اور اسی وضع کے کان کے جھمکے تھے۔

جمنا کی آنکھیں غیر معمولی طور پر پھیل کر بڑی ہو گئیں۔ اس نے دانتوں تلے انگلی دبا لی۔

تیسرے ڈبے میں ماتھے کا جڑاؤ ٹیکا تھا جو دلہن کو پہنایا جاتا ہے۔

"ہائے" کہہ کر جمنا نے ٹیکے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

باسکو اس کا ہاتھ جھٹک کر بولا۔

"اس کو میلا مت کرو!"

"کدھر ہاتھ صاف کیا؟" میں نے تانتیا سے پوچھا۔

"وہ ماہم بجاجہ کا سندھی نہیں ہے، نقلی جیور بیچتا ہے۔"

تانتیا نے کوئی ساٹھ ستّر گز میرے ایک کان کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نے ہم کو بلا کے یہ دیا۔ بولا آج رات کو یہ دلہن پہن لیوے صبح ہم کو واپس کر دیوے۔ ہم تینوں ڈبّے اٹھا کے لے آیا۔"

جمنا کبھی ایک زیور کو دیکھتی تھی کبھی دوسرے کو کبھی ہم سب کو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ کیا کرے کیا کہے۔ اس کے چہرے پر عجیب طرح کا بھولپن اور ملاحت آتی جا رہی تھی۔ آخر آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے

باسکو بولا۔

"بلاڈی بچ۔ رات کو ہم نے تیرے واسطے ہولی مدر سے بلیسنگ "Blessing" مانگا۔ لگتا ہے ہولی مدر تم پہ مہربان ہو گیا ہے۔"

دن بھر ہم لوگ مختلف کاموں میں جٹے رہے۔ چین کا ایک سانس نہیں ملا۔ ہر ایک کے دل میں یہی لگن تھی کہ شادی ہو جائے اور ایسی شاندار ہو جیسی ماہم بازار میں آج تک کسی نے نہ دیکھی ہو۔ ہاتھ بٹانے کے لئے کئی اور فٹ پاتھ کے رہنے والے بھی آ گئے تھے۔ اور بھاگ بھاگ کر سب کام کر رہے تھے۔ اب تو ایسا لگتا تھا کہ ہم پانچ لوفروں ہی کو نہیں، پورے ماہم بازار کو اس شادی کی دھن لگ

چکی ہے۔

دن ڈھلے جب روزی روٹی کے دھندے سے فارغ ہو کر دوسرے لوگ بھی آنے لگے، تو فٹ پاتھ پر ایک "تانتا سا لگ گیا۔ بھکاریوں کو بھی خبر لگ گئی تھی۔ انھوں نے شام ہی سے اپنے پرانے زنگ آلود ڈبے لے کر قطار جما کر ہمارے فٹ پاتھ کے نیچے بیٹھنا شروع کیا۔

ویراپا ناریل والا پانچ ناریل لے کر آیا۔

جینسا بائی جو داکیش ٹیکسٹائل مل میں کام کرتی تھی، چاندی کے نئے بچھوے لے کر آئی۔ خود اس نے اپنے ہاتھ سے جمنا کے پیروں میں وہ بچھوے پہنا دیئے اور اس سے چل کر دکھلانے کو کہا۔ جمنا پہلے تو شرمائی سکڑی بیٹھی رہی۔ جب باسکو نے ڈانٹا تو اٹھ کر چلنے لگی۔۔ اٹھلا اٹھلا کر چلتی تھی اور چاندی کے بچھوے چھنک چھنک بجتے تھے۔

جینا بائی نے اسے گلے سے لگا لیا۔

شانتا بائی کے خصم نے اسے نیا منگل سوتر لا کے دیا تھا۔ منگل سوتر اس علاقہ میں ہر شادی شدہ عورت پہنتی ہے اور یہ شگون کیلئے بہت ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ہم میں سے کسی کو اس کا خیال تک نہ آیا تھا۔ شانتا بائی وہ منگل سوتر جمنا کو دے کر بولی۔

"رات کو پہننا اسے۔ میں ابھی پرانے ہی سے کام چلا لوں گی۔"

جمنا نے شانتا بائی کے پاؤں چھوئے۔

شانتا بائی بولی۔

"میرا گھر والا تو رات پالی کرنے مل میں جائے گا۔ وہ تو نہیں آوے گا۔ پر میں آجاؤں گی۔ اور تجھ کو اپنے ہاتھ سے نہلا دھلا کر سجاؤں گی"

رات کے گیارہ بجے کے قریب طاہر استاد ماہم کی درگاہ شریف کے باہر پھول بیچنے والے کا ٹوکرا اٹھوا کر لے آیا۔ بولا۔

"دلہن کے لئے پھولوں کے گہنے بنوا کر لایا ہوں"

ساڑھے بارہ کے بعد جب سنیما کا دوسرا شو خلاص ہوا تو ایرانی ہوٹل والے نے دولھا اور دلہن کو اپنے ہوٹل کے باورچی خانہ کے باتھ روم میں نہانے کی اجازت دے دی پہلے دولھا کو نہلایا گیا پھر دلہن کو — عورتیں کوئی ایک گھنٹہ تک دلہن کو نہلاتی رہیں — جنم جنم کی میل چھوٹی تھی

ایک بجے کے قریب تامبا ماہم بازار کے شوالے کے پنڈت کو لے کر آیا۔ بولا "پنڈت کو پورے پچیس دینا پڑیں گے۔ وہ ادھار نہیں کرتا۔ بولتا ہے آج کل بہت لگن ہو رہے ہیں۔ ہم گریب آدمی ہے، ہم ایک پیسہ نہیں چھوڑے گا۔ آدھا پیسہ ایڈوانس لے گا"

پنڈت کے پیسے چکا دیئے گئے۔ منٹوں میں پیسے اکٹھے ہو گئے۔ ٹریفک کے خالی نکوے کے اندر منڈپ سجنا شروع ہو گیا۔ عورتیں سجی سنوری دلہن کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ اور شادی کے گیت گا رہی تھیں۔ مراٹھی میں، گجراتی میں، کونکنی میں، پنجابی میں، تیلگو میں، ملیالم میں، مہنفلی اور اودھی ہندی میں — بڑا اچھا لگ رہا تھا۔

ڈیڑھ بجے کے قریب گویہ دھوبن تیل کی گلی میں سے دس بارہ نوجوان بینڈ بجاتے ہوئے نکلے۔ شادی کا سنگھار شروع کیا۔ دونوں طرف فٹ پاتھ پر کھڑے تھے۔ بینڈ باجے والے بینڈ بجاتے بجاتے گلوب موٹرز گیراج کے سامنے کھڑے ہو گئے جس کے مالک نے دو موٹریں جلدی جلدی سے ٹھیک کر کے ہم لوگوں کے جلوس کے لئے رکھی تھیں۔ ایک موٹر پھولوں سے سجی ہوئی تھی۔ بڑی دھوم دھام سے باراتیوں کا جلوس نکلا۔ دولھا کی موٹر کے بعد ہم پانچ لوفروں کی موٹر تھی —— اے وَن لانڈری کے شفاف دُھلے دُھلائے کپڑے پہن کر ہم پانچ لوفر عجیب و غریب لگ رہے تھے۔ سب کے جسم عمدہ غسل کے صابن اور عطر والے کے عطر سے مہک رہے تھے —— آج ہمارا دن تھا۔

جلوس کو نکلتا دیکھ کر ٹیکسی کے اڈے پر کھڑی کئی خالی ٹیکسیوں کے ڈرائیوروں کو بھی جوش آ گیا۔ انھوں نے اپنے فلیگ گرائے اور تینوں چاروں ٹیکسیاں فٹ پاتھ پر بسیرا کرنے والوں سے بھر گئیں۔ سب اس خوشی میں شامل ہو گئے۔

بچن سنگھ کا بینڈ آگے آگے اور ہم پیچھے پیچھے۔

جلوس ماہم چوک کی طرف بڑھنے لگا۔ لڑکے خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے اور سیٹیاں۔

عورتیں گیت گا رہی تھیں۔ وہ اب جمنا کو ٹریفک کی تکون کے اندر لے گئی تھیں اور اسے ایک کونے میں بٹھا کر اس کے گرد جمع ہو کر لہک لہک کر گیت گا رہی تھیں۔ چوک کے نئے سنتری بجا سکرنے چھیڑ

دے دی تھی سب کو نکوں کے اندر آنے کی۔ بولا۔ "سالی نوکری بھی چلی جائے تو پرواہ نہیں!"

جلوس جب بڑھتا بڑھتا ماہم کے چوک میں پہنچا تو دوسری طرف سے ایک اور بینڈ کسی اور برات کو لے کر آن پہنچا جو باندرہ کو جا رہے تھے۔ مگر ہمارے بینڈ والوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ دونوں طرف کے بینڈ اپنی اپنی جگہ سے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔

باندرہ کو جانے والا بینڈ کسی بڑے آدمی کی برات کا بینڈ معلوم ہو رہا تھا۔ بڑی لمبی بارات تھی اور عمدہ گاڑیوں کی ایک لمبی قطار اس کے پیچھے تھی۔

کچھ عرصہ تک تو دونوں بینڈ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے زور زور سے بینڈ بجاتے رہے، جیسے گویا دونوں بینڈوں میں مقابلہ ہو رہا ہو۔ مگر باندرہ کو جانے والا بینڈ بہت آزمودہ، کرھا ہوا، اور مشاق معلوم ہوتا تھا۔ ہمارے بینڈ میں سب نئے چھوکرے تھے اور تو سکھیے تھے الگ الگ بجا رہے تھے۔ اپنا ٹرمپٹ قوالی گا رہا تھا "یہ عشق عشق ہے عشق" تو کلارنٹ "چھوڑ بابل کا گھر" تو فلوٹ "دو بدن پیار کی آگ میں جل گئے" سنا رہا تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، کیونکہ اگر سامنے کے بینڈ والے دھن کے ماہر تھے تو اپنے بینڈ والے شور کے۔۔۔۔۔

جب کسی بینڈ والے نے راستہ نہ دیا اور راستہ جام ہونے لگا اور بھا سکر سنتری گھبرانے لگا تو بچن سنگھ نے اپنا ٹرمپٹ زمین پر رکھا اور بہر حیرت سے بولا۔

"او — چھڈ کلارنٹ نوں ایتھے — اگے آجا، دو دو ہتھ کر لیئے"۔

زور کا ایک نعرہ لگا کر بچن سنگھ اور اس کے ساتھی اپنے اپنے ساز چھوڑ کر بانورہ جلانے والے بینڈ سے بھڑ گئے۔

نوجوان بینڈ اینڈ کمپنی نے جس کا مہورت گویا آج رات کو ہی ہوا تھا، خوب خوب اپنے جوہر دکھائے۔ دھن بجانے میں جو کسر تھی وہ انھوں نے اپنے ہاتھوں سے پوری کر دی۔ بچن، ہر چرن، تاتھ، دوارکا، پائی اور رحمان خاص طور پر پیش پیش تھے سو دوسری طرف کے بینڈ والے بھی کچھ کم نہ تھے۔

تھوڑی دیر میں بڑے بڑے پیتل کے باجے، ہارن، ٹرمپٹ، روبو اور کلارنٹ فضا میں لڑھکنے لگے اور دوسری آوازیں پیدا کرنے لگے، جن کا موسیقی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دونوں بینڈ والوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔

پانچوں لوفر گوب گیراج کی دی ہوئی گاڑی سے باہر نکلے — باسکو نے تانتیا تان کے کہا۔

"تانتیا استاد! — آگے بڑھ جا — فٹ پاتھ کا آدھا ڈینجر میں ہے مائی گاڈ!"

تانتیا اور باسکو آگے بڑھنے لگے تو میں نے ان کو روک کے کہا۔

"مگر یہ کپڑے — کچھ تو خیال کرو — لانڈری کے ہیں!"

باسکو اور تانتیا ایک منٹ کے لئے رک گئے۔ مگر لڑائی جو ان کی آنکھوں کے سامنے ایسے شاندار طریقہ سے جاری تھی کہ وہ زیادہ

دیر تک اپنے کو نہ روک سکے۔ زور کا ایک نعرہ لگا کر لڑائی کے میدان میں گھس گئے۔

بانکو نے غصہ میں تاؤ کر ایک مکا جو مخالف بینڈ کے ایک ممبر کو مارا تو اس کا ہاتھ سیدھا ڈرم کے اندر گھس گیا ــــ ہرچرن کا ایک پاؤں پیتل کے ایک بڑے ہارن میں پھنس گیا تھا، تو بھی وہ اسے گھسیٹے ہوئے لڑے جا رہا تھا۔

مخالف ڈرمر نے غصہ میں آ کر اپنا ڈرم تانتیا کے اوپر دے مارا۔ ڈرم پھٹ گیا اور تانتیا سیدھا اس کے اندر چلا گیا اور اس کا سر دوسری طرف سے نکل آیا۔ اب وہ اپنی چھاتی کے گرد مخالف بینڈ کے ڈرم کو پہنے ہوئے لڑ رہا تھا۔

لڑائی کی گرمی اور شدت سے متاثر ہو کر آس پاس کے نوجوانوں کو بھی تحریک ہوئی اور وہ بھی اوجھے کو ٹھینگے کا سہارا پا کر اور کچھ نہیں تو ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ تھوڑی دیر میں آوازیں اور سیٹیاں بجیں اور جانے نہ پائے اور گریبان پکڑ کر ایک گھونسا اور دوسرا اور تیسرا اور ٹوپیوں کا اچھلنا اور ٹانگ کھینچ کے نیچے گرا لینا اور تیری ماں اور بہن اور پھر دے گا دھکا مجھے سالے دھکا دیتا ہے ہم کھڑا کھڑا تماشہ دیکھتا ہے اور تو دھکا دیتا ہے ہم کو ــــ ہاں دیتا ہے دھکا تجھ کو! پھر؟ ــــ ہمت ہے تو آ جا سامنے، کالی داداکا نام نہیں سنا ہے ــــ بکرے کا سینواڑی ہوں مار مار کے ڈھولی بنا دوں گا ــــ لڑائی میں تو فلو یا پلیگ کی طرح چھوت کی بیماری ہوتی ہے۔ ایک سے دوسرے کو لگتی ہے۔ تھوڑی

دیر میں ماہیم کے چوک میں حشر کا سا سماں برپا تھا۔

یہ غنیمت تھا کہ ٹریفک کے تکونے کو فٹ پاتھیوں نے گھیر رکھا تھا اور کسی کو اندر نہیں آنے دیتے تھے۔ پنڈت جی جلدی جلدی بیاہ کی رسمیں ادا کرنے میں مصروف تھے۔ میں دوڑا دوڑا باسکو کے پاس گیا جو بیک وقت دو آدمیوں سے دست و گریباں تھا۔ میں نے چلا کے کہا۔

"باسکو! پنڈت جی پوچھتے ہیں لڑکی کا باپ کہاں ہے؟"

باسکو نے بمشکل تمام اپنے آپ کو دوسرے لڑنے والوں سے علیحدہ کیا۔ اس کے کپڑے پھٹ گئے تھے مگر وہ شیر کی طرح بپھرا ہوا اور بڑی مشکل سے میرے ساتھ چلنے پر راضی ہوا۔ تکونے کے اندر پہنچ کر باسکو نے گرج کر اعلان کیا۔

"ہم لڑکی کا فادر ہے"

"جلدی کرو پنڈت!" ہانپتا بڑی مشکل سے اپنے آپ کو ڈرم کے لکڑی کے کھوکھے سے آزاد کرتے ہوئے بولا۔

بھاسکر راؤ سیٹی بجاتا ہوا بینڈ والوں میں گھس گیا اور زور زور سے چلانے لگا۔

"پولیس آرہی ہے، پولیس آرہی ہے!"

جلدی جلدی لوگ تتر بتر ہونے لگے۔

پچھی نے ہر چرن کو آنکھ ماری۔ ہر چرن نے پائی کو اشارہ کیا۔ وہ لوگ جلدی جلدی جو بھی سامان ان کے ہاتھ لگا، لے کر بیسٹ کمپنی کے اڈے کی طرف دوڑ گئے۔ چوک خالی ہونے لگا۔ باندرہ کو جانیوالی

بارات کے بینڈ والوں نے اپنی اپنی وردیاں سنبھالیں، ساز سنبھالے ــــ حالانکہ بہت سے ساز بدل گئے تھے ــــ جلدی جلدی سے وہ لوگ اپنا بینڈ بجاتے ہوئے ماہم کریک کی طرف بڑھنے لگے۔

"لوکر... لوکر (یعنی جلدی جلدی) لوکر پنڈت!"
سانتابائی پنڈت جی کے سر پر ٹہوکا مار کر بول رہی تھی۔
"لگن جلدی منگتا... پیسہ پورا لے لیا ہے، پھر کاہے کو دیر کرتا!"

پنڈت جی نے جلدی جلدی آخری پھیرے کی رسوم ادا کیں۔
یاسکو بولا:
"آمین!"
عبدل بولا:
"آمین!"

جلدی جلدی دلہن اور دولہا کو تکون سے اٹھا کے ٹائمنٹ کی دکان کے پیچھے ہوٹے برآمدے میں پہنچا دیا گیا اور پنڈت جی اور ساتھ ہی بیاہ کے کام کے سلسلے کی ساری چیزوں کو اتنی جلدی اور اتنی صفائی سے ہٹا دیا گیا جیسے تکونے میں کچھ نہ ہوا تھا۔

دور سے پولیس کی گارد آتی دکھائی دی اور جب وہ ماہم چوک تک پہنچی چوک خالی تھا۔ دوسری بارات کی گاڑیوں کا آخری سرا ماہم کریک پر سے گزر رہا تھا۔ تیج سنگھ کے بینڈ کا کہیں پتہ نہ تھا لوگ ایسے آجا رہے تھے جیسے کہیں کچھ نہ ہوا تھا۔

"کیا ہے رے؟" انسپکٹر فتح علی نے بھاسکر کو دھمکی دی۔
"گارڈ کو کیوں بلایا؟ اِدھر تو کوئی گڑبڑ نہیں ہے!"
حالانکہ انسپکٹر فتح علی سب جانتا تھا، مگر اس نے خاموشی سے پاسکو کو آنکھ ماری اور بھاسکر پر نقلی غصہ دکھاتا رہا۔۔۔ بے چارا بھاسکر سر جھکائے سنتا رہا۔
"اِدھر بمبئی میں چھوٹا موٹا لفڑا روز چلتا ہے۔ ایسے گارڈ کو حیران کرو گے تو دن بھر لفٹ رائٹ کرنے کے سوا پولیس اور کیا کام کرے گی؟"
"نوا چھوکرا ہے۔" تاتیا نے بھاسکر کی سفارش کی۔
"تم چپ رہو۔" انسپکٹر فتح علی نے تاتیا کو آنکھ مار کر اس پر بھی گرجنا شروع کیا۔ "تم لوگ اِدھر آدھی رات کو بھنبھٹ کرتا ہے پولیس کو حیران کرتا ہے۔ ہم سب کو اندر کرے گا!"
گارڈ نے چوک کا ایک چکر لگایا پھر انسپکٹر فتح علی گارڈ کو لے کر واپس چلا گیا۔ جاتے جاتے بھاسکر سے کہہ گیا۔
"صبح چوکی پہ آکے رپورٹ کرو۔"
اس کے جانے کے بعد بھاسکر سر پکڑ کے بیٹھ گیا، کہ صبح اس کو نوکری سے جواب مل جائے گا۔
"کچھ ہونے کا نہیں ہے!" پاسکو نے بڑے اطمینان سے بھاسکر کے کندھے کو تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔ "تم کو اِدھر سے انسپکٹر بولا بوم کرتا تھا اُدھر سے ہم کو آنکھ مارتا تھا۔۔۔ کچھ ہونے کا نہیں ہے!"
"ایسا؟"

بھاسکر نے خوش ہو کے پوچھا۔

"ہو ـــ!"

باسکو نے بڑے اطمینان سے سر ہلایا۔

یکایک بینڈ کمپنی کے اڈے یعنی گرجا کی نکڑ کے پیچھے سے بینڈ بجنے کی آواز آئی۔ اور نوجوان بینڈ اینڈ کمپنی بینڈ بجاتی فتح کے جھنڈے لہراتی چوک میں نکلی۔ انھوں نے چوک کا ایک پورا چکر لے کر ما ہیپٹ کے بر آمدے کے باہر دس منٹ بینڈ بجایا پھر گویا دولھا دلہن کو آخری سلامی دے کر ہم سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔ چلتے چلتے بچن سنگھ بولا۔

"او بینٹ ماسٹر! ـــ ہمارا لو سٹوری تم کو لکھنا پڑے گا ـــ ہم اسی کو رجسٹری کر کے بھیجے گا جس نے ہمارے سنگ بے وفائی کیا۔"

"ضرور لکھے گا بچن سنگھ!"

"ہم دو چار دن میں آتا ہے۔" بچن سنگھ اتنا کہہ کر اپنے بھائی ہر چرن اور دوستوں کو لے کر نکل گیا۔

کوڑھی جان آج بھکاریوں کا سردار تھا۔ وہ بڑے دبدبے اور وقار سے آج بھکاریوں کی قطار کو کنٹرول کر رہا تھا جو شادی کی خوشی میں بھیک مانگنے آگئے تھے۔ آکے بولا۔

"دو کلاک سے اوپر ہو گیا، بھکاری لوگ کھانا منگتا..."

"عبدل!" باسکو چلایا۔ "سب کو کھانا دو۔"

رزاق روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"امارا سب کپڑا پھاڑ دیا - کل مارننگ میں لانڈری کا سیٹھ ہماری چھٹی کر دے گا ... ہم کو پولیس میں بھی دے سکتا ہے۔"

طاہر استاد نے رزاق کے سر پہ ہاتھ رکھ کے کہا -

"وہ تم کو کچھ نہیں کہے گا، اس کا ہم ذمہ لیتا ہے۔"

چار بجے ___

چوک خالی ہے ___

سب تھک کر، ٹوٹ کر سو گئے ہیں ___

سجے ہوئے برآمدے کے اندر دولھا دلہن بیٹھے ہیں ___

برآمدے کے باہر دو پردے تان دیئے گئے ہیں۔ دولھا درد سے آہستہ آہستہ کراہتا ہے اور پوچھتا ہے:

"اے جمنا! تیرے بچّہ کب ہوگا؟"

جمنا کوئی جواب نہیں دیتی ہے - وہ دھیرے دھیرے دولھا کے پاؤں دبا رہی ہے۔

دولھا کہتا ہے

"میرے جیتے جی ہو جاتا ... میں ایک بار اس کو دیکھ لیتا کسی طرح سے .... مجھے ایسا لگتا ہے جیسے وہ سچ مچ میرا ہی بچّہ ہے۔"

وہ بہت دیر تک چپ رہا ... جمنا بہت دیر تک اس کے

پاؤں دباتی رہی۔

یکایک وہ اندھیرے میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔

"پر اب میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔"

جمنا زور زور سے سسکنے لگی۔ پھر بولی۔

"میرے تو کوئی بچہ ہونے والا نہیں ہے!"

درما حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

جمنا سسکتے سسکتے بولی۔

"میں تیرے سنگ شادی بنانا چاہتی تھی، اسی لئے ایسا بولی۔"

درما حیرت سے اُسے تکے جا رہا تھا۔

جمنا نے روتے روتے اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیا۔ اور بولی۔

"اُٹھا لے اپنا چپّل، اور مار سو جوتے میرے سر پہ!"

درما کے لبوں پر ایک درد آمیز تبسّم آیا۔

اس نے آہستہ سے جمنا کا آنسوؤں میں بھیگا ہوا چہرہ اپنے پاؤں سے اُٹھایا۔ اس کے گیلے چہرے کو ایسے اپنے ہاتھوں سے صاف کیا، جیسے کوئی دھول میں گرے ہوئے پھول کو اٹھا کر صاف کرتا ہے۔ پھر اس نے جمنا کو اپنے گلے سے لگا لیا۔

دوسرے دن صبح پانچ بجے رزاق دولھا اور دُلہن کے قیمتی

کپڑے استری کے واپس لانڈری میں لے گیا۔ چھ بجے آکر اس نے مجھے اور عبدل کو جگایا بعد ہمارے کپڑے لے گیا۔ سات بجے اس نے باسکو اور تانتیا کو جگایا بعد ان کے کپڑے لے گیا۔ صرف ایک پتلون اور دو شرٹ کا نقصان ہوا تھا۔ پتلون تانتیا کی پھٹی تھی اور قمیص باسکو کی اور تانتیا کی دونوں کی پھٹ گئی تھی۔ ساڑھے سات بجے کے قریب ٹاپیسٹ نے آکے بولا۔

"ہمارا دکان خالی کر دو!"

آٹھ بجے ہم سب لوگ اپنے پھٹے پرانے کپڑے پہنے فٹ پاتھ پر جھک کے بیٹھے تھے، مگر ہم سب کے چہرے شاداں و فرحاں تھے ایسا لگتا تھا جیسے ہم نے آسمان کو شکست دی ہے۔

ایک مہینہ گذر گیا۔

اناج اس قدر مہنگا ہو گیا، کہ بھکاری جو اس سے پہلے پانچ پیسے کی بھیک لیتے تھے، اب دس پیسے لینے پر اصرار کرنے لگے ـــــ دوسرے بھکاریوں کی دیکھا دیکھی کوڑھی جان نے بھی اپنا ریٹ بڑھا دیا تھا۔ ہم لوگ زیادہ تر بھوکے رہنے لگے تھے۔

پریم ورما کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ جمنا جو کماتی، اس پر خرچ کر ڈالتی ـــــ اکثر اسے دو دو وقت کے فاقے لگ جاتے، مگر وہ سر جھکا کر تن دہی سے اس کا علاج کئے جاتی تھی، مصیبت یہ تھی، کہ اب تو علاج بھی نہ ہو سکتا تھا۔ زیادہ سے زیادہ درد کم ہو سکتا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھی نہ ہوتا تھا ـــ جب ہم میں سے کسی کے پاس پیسے نہ ہوتے تھے اس دن پریم ورما کی حالت اس قدر بگڑ جاتی تھی، اور درد سے وہ اس قدر بلبلاتا تھا، کہ میرا جی چاہتا تھا کہ اسے گولی مار کے ختم کر دوں۔

ایک شام شانتا کول کی گاڑی ہمارے فلیٹ کے کنارے آکے رکی۔ وہ مجھے اپنے ساتھ بٹھا کر باندرہ کے ساحل پر لے گئی۔ راستے میں بولی۔

"میری نئی گاڑی دیکھی؟"

"یہ تمھاری ہے؟"

"ہاں۔ بالکل نئی فی ایٹ ہے!!"

"اچھا؟"

"اور مجھے کمپنی کی طرف سے نیا فلیٹ بھی ملا ہے۔ پانچ کمروں والا۔"

"بہت خوب!"

"اور میرا اپنا ایگریمنٹ بھی ہو گیا ہے — پانچ سال کے لئے —!"

"تمھارا نیا مالک کیسا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

چلتی گاڑی میں دھکّا سا لگا۔ شانتا کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے بالکل سفید ہو گیا۔ پھر خون زور کر کے سارے چہرے پر اُتر آیا۔

پھر راستہ بھر وہ نہیں بولی۔ باندرہ کے ساحل پر ایک سنسان جگہ لے جا کر اس نے گاڑی کھڑی کر دی۔

"آؤ" کہہ کر وہ گاڑی سے نکلی اور ساحل کے کالے کالے پتھروں پر پھلانگتے ہوئے سمندر کی طرف چلنے لگی۔ بہت راستہ طے کر کے اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے آخر ہم لوگ ایک ایسے ڈھلوان

پتھر پر جا بیٹھے، جہاں سمندر ہمارے بہت قریب تھا اور ہمارے
پیچھے اتنے اونچے اونچے پتھر تھے، کہ جن سے ہمارے بیٹھنے
کی جگہ اوٹ میں ہو گئی تھی۔

"اچھی جگہ معلوم ہوتی ہے!" میں نے اس سے کہا "پیچھے
سے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اور آگے سمندر ہے!"

شانتا مسکرائی۔ اودے رنگ کی جینز بھی پتھر پر پاؤں
پھیلائے بیٹھی تھی۔ مجھے اس کی کمر کا خم، کولھے کا ابھار، پنڈلی
کی گداز اور ٹخنے کی گولائی قیامت کی پر کشش معلوم ہوئی، میں
نے ایک ایک چیز پر ہاتھ پھیر کے دیکھا اور حیرت سے سر ہلاتا گیا۔
کمال ہے صاحب! جس نے بھی عورت بنائی ہے کیا چیز بنائی ہے۔
ایسی ٹائٹ فٹنگ تو درزی بھی نہیں کر سکتا۔ سمجھ میں نہیں آتا، کہ
بنانے والے نے عورت کو کیسے بنایا۔ محض گوشت اور پوست سے
تو ایسی چیزیں نہیں بن سکتی۔ سائنس والوں کی محرومی دیکھئے، راکٹ
تو بنا ڈالا عورت نہیں بنا سکے۔

شانتا کھلکھلا کر ہنسی اور مجھ سے بہت قریب لگ کے بیٹھ گئی۔
اور آہستہ آہستہ اپنا بوجھ مجھ پر ڈالنے لگی۔ میں نے اسے اپنی بانہوں
میں لے لیا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں، اور وہ لمبے لمبے
سانس لے کر بولی۔

"مجھ سے کوئی رومانٹک بات کہو!"

میں نے کہا: "مجھ سے پہلے تم کتنے لوگوں کے ساتھ یہاں
آ چکی ہو؟"

وہ ایک دم تڑپ کر میری باہوں سے نکل گئی۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے گھور کر میری طرف دیکھا، پھر ہاتھ اٹھا کر زور کا ایک طمانچہ میرے گال پر دیا۔

یکایک سمندر میرے سامنے زور سے گرجا اور وہ بھی ایک طمانچہ تھا۔ ہوا کا ایک زور کا جھونکا میرے دوسرے رخسار سے مس ہوتا ہوا گذر گیا، اور وہ بھی ایک چانٹا تھا۔ ایک سمندری پرندہ بڑی تیزی سے اپنے پر پھڑپھڑاتا ہوا میرے سر سے گذر گیا اور وہ بھی ایک تھپڑ تھا۔ مجھے ایسا لگا، جیسے کوئی آسمان میں بیٹھا مجھ پر ہنس رہا ہے۔

تھپڑ کھا کر میں چپ بیٹھا رہا۔ وہ کچھ دیر تک چپ رہی۔ پھر میری گود میں گر کر رونے لگی۔ میں نے اسے رونے دیا۔ دھیرے دھیرے میں اس کی پیٹھ سہلاتا رہا اور اس کے بالوں میں انگلیاں ڈالکر اس کی زلفوں کے چھلّے بناتا رہا۔ پھر اس نے میری بھیگی قمیض سے اپنے آنسو پونچھے۔ میں نے پونچھ لینے دیئے۔ پھر اس نے میرا سینہ سونگھنا شروع کیا۔ میں نے سونگھنے دیا۔ اس کے باریک سیب کی طرح نازک نتھنے بار بار ہل رہے تھے اور وہ کہہ رہی تھی۔

"تمھارے سینے سے کیسی کھٹی کھٹی خوشبو آتی ہے!"

"ہاں، ایک ماہ سے نہایا نہیں ہوں!"

"سمجھ میں نہیں آتا، میں تمھیں چاہتی کیوں ہوں!"

"صاف ستھرے بچے کبھی کبھی کیچڑ میں کھیلنا پسند کرتے ہیں!"

اس نے آنکھیں بنا کر مجھے حکم دیا۔

"مجھے چومو۔"

میں نے وہی کیا جس کا مجھے حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا:

"تم نے لہسن کب کھایا تھا؟"

"پرسوں — جب کھانا ملا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک بھوکا ہوں۔ اور میم صاحب بولتی ہیں "عشق کرو" اور نہ کریں تو چانٹا مارتی ہیں۔"

وہ میرے گال پر ہلکا سا تھپڑ مار کے بولی "ایک اور ماروں گی۔"

بڑا خوبصورت منظر تھا۔ لہریں شریر سہیلیوں کی طرح ایک دوسرے کو چھیڑتی ہوئی، شانتا کے بال ہوائیں اڑتے ہوئے، شام کے بادل شہابی، شانتا کا چہرہ گلابی اور اس کے ادھ کھلے سینے کی دھڑکتی ہوئی بے حجابی — منظر بالکل ویسا تھا، جیسا کہ ناولوں یا فلموں میں ہوتا ہے، اور خاص کر رنگین فلموں میں — جو سینما اسکوپ میں بنائی جاتی ہیں۔

میں نے کہا "آؤ ایک ڈوئیٹ شروع کریں۔"

"ڈوئیٹ" کا لفظ سن کر وہ چونکی، جیسے یکا یک اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ بولی۔

"بہت دن ہوئے میں ایک فلم اسٹوڈیو میں گئی تھی۔"

"فلم سٹار بننے؟"

"نہیں — ایک مہورت میں شامل ہونے گئی تھی۔ وہ لوگ ایک عجیب سے گانے پر مہورت کر رہے تھے۔ عجیب سا گانا تھا جس

میں بار بار 'دھت تیرے کی' آتا تھا۔ مزے کا کامیڈی گیت تھا۔ مجھے بہت پسند آیا۔ جب میں نے نام پوچھا تو بولے "ایک نئے کوی کا ہے —

نام ہے — ہینڈ ماسٹر!"

"کمپنی کا نام پیرکالہ پروڈکشن ہو گا!"

" ہاں — وہی وہی"! ستا ستا ایک انگلی میرے چہرے کے سامنے ہلا کر بولی :- "مجھ سے اب تک چھپاتے رہے ہو۔ بتایا کیوں نہیں کہ تم ایک پکچر کے گانے لکھ رہے ہو"!

"کہاں لکھ رہا ہوں — بس وہی ایک گانا لکھا تھا"!

میں نے اسے سب معاملہ بتا دیا۔ سن کر وہ مجھے رحم کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر میرے ماتھے کو اپنی انگلیوں سے کھٹ کھٹا کے بولی۔

"ضرور یہاں کوئی فتور ہے! — اتنا بڑا چانس کسی دوسرے رائٹر کو ملتا ... "

میں نے اس کی بات کاٹ کے کہا۔

"میں کوئی دوسرا رائٹر ہوں، میں ایک ہوں!"

"یعنی ایک احمق!"

"کچھ بھی سمجھ لو"!

"میں نے ان سے وعدہ کر لیا ہے کہ میں تمھیں ان کے پاس واپس لے آؤں گی اور تم ہی اس پکچر کے باقی گانے لکھو گے۔ ابھی تو وہ لوگ بیس روز سے باہر گئے ہیں آؤٹ ڈور شوٹنگ پر۔ واپس آجائیں گے تو تمھیں لے چلوں گی اور تمھیں چلنا ہو گا"!

"نہیں!"

"ضد چھوڑ دو۔"

"نہیں!"

"تمہارے فٹ پاتھ پر بھوکا مرنے سے کیا دنیا بدل جائے گی؟"

"بغاوت ایک نقطہ سے شروع ہوتی ہے، آگ ایک شعلے سے، بارش ایک بوند سے اور عشق ایک نگاہ سے ــــ اس کو حقیر مت جانو شانتا!"

شانتا کا جسم کپکپا گیا۔ اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے اتنے دکھ جھیلے ہیں، کہ اب مجھ سے دکھ جھیلے نہ جائینگے۔ اس لئے میں نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں اور دنیا سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ تم بھی کر لو ــــ آرام سے گذرے گی!"

"نہیں!"

"تو میرے پاس آجاؤ۔ میں کبھی تمہارے ضمیر کے خلاف تمھیں کسی کام کے کرنے کے لئے مجبور نہیں کروں گی۔"

"رات کو کوئی تمھارے بیڈ روم کا دروازہ کھٹکھٹائے گا تو میرا ضمیر بولے گا۔ تم ڈنر پہ کسی کو بلاؤ گی اور کوئی تمھیں گندی نگاہوں سے دیکھے گا تو میرا ضمیر بولے گا۔ بال روم میں ڈانس کرتے سمے تم کسی کی باہنوں میں جاؤ گی تو میرا ضمیر بولے گا۔ میں خود اپنے ضمیر سے عاجز ہوں شانتا ــــ اگر مجھے معلوم ہو جائے، کہ میرا ضمیر جسم کے کسی حصہ میں چھپا بیٹھا ہے تو میں اسے کاٹ کے پھینک دوں گا۔"

"مجھے تمھیں میری زندگی سے کیا؟ — میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں تم سے کبھی کچھ نہ کہوں گی تم مزے سے وہاں رہنا، لکھنا پڑھنا میں تمھیں بڑے آرام سے رکھوں گی"۔

"کیوں؟"

"کیوں کا جواب میں نہیں دے سکتی۔ کیوں کبھی کسی کو کسی سے کچھ ہو جاتا ہے، اور وہ کیا ہوتا ہے اس کا جواب بھی میں نہیں دے سکتی۔ لفظ عشق اس کے لئے کافی ہے۔ مجھے تم سے کیا ہے اس کا حال میں تمھیں کیا بتاؤں۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی زندگی بڑی سونی معلوم ہوتی ہے۔ کبھی کبھی تو اپنی لگتا ہوں، پُر شور قہقہوں اور جگمگاتی روشنیوں کے اندر بالکل اکیلا محسوس کرتی ہوں۔ بہت ڈر جاتی ہوں۔ جی چاہتا ہے کوئی ہو اپنا، جسے اپنا کہہ سکوں۔ جس کا ہاتھ تھام سکوں۔ جو اس جھگھٹے کے اکیلے پن میں میری حفاظت کر سکے"۔

وہ میرے منہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"شانتا، تم ایک ایلسیشن کتا پال لو۔ تمھاری حیثیت کی عورتیں اور اکیلی عورتیں" اکثر ایسا ہی کرتی ہیں"۔

وہ دیر تک میرا منہ دیکھتی رہی۔ میں اس کی طرف نہ دیکھ کر سمندر میں چھوٹے چھوٹے پتھر پھینکتا رہا۔ شام ڈوب چلی تھی، سمندر کا رنگ سانولا ہو گیا تھا اس کے چہرے پر بے شمار لہریں چھوٹی چھوٹی جھریوں کی طرح نمودار ہو رہی تھیں۔

یکا یک مجھے سمندر کا چہرہ بہت بوڑھا دکھائی دینے لگا۔
شانتا گول پتھر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھکی ہوئی آواز میں بولی۔

"آؤ۔ واپس چلیں!"

اس رات گیارہ بجے کے قریب پلٹو کو میں نے دیکھا کہ ہمارے فٹ پاتھ کے بالکل قریب سے سڑک پر باندرہ کی طرف جا رہا ہے۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا۔ میں نے اسے زور سے آواز دی۔

"پلٹو!"

اس نے پلٹ کر دیکھا، پھر مجھے پہچان کر لوٹ آیا اور تھکے ہوئے انداز میں میرے قریب فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا اور ایک لمبی سانس لے کر ماتھے سے اپنا پسینہ پونچھنے لگا۔

"کہاں جا رہے تھے؟"

"باندرہ میں ایک پروڈیوسر کے مکان پر!"

"کیوں؟"

"نوکری مانگنے کے لئے!"

"کیوں ۔۔ کیا پرکالہ پروڈکشن سے جواب مل گیا؟"

"نہیں ۔۔ مگر ملنے والا ہے، کمپنی ٹوٹ رہی ہے!"

"ٹوٹ رہی ہے، مگر پکچر تو تین چوتھائی مکمل ہے شاید!"

"ہاں ۔۔ وہ لوگ ابھی تین روز ہوئے آؤٹ ڈور شوٹنگ سے واپس آئے ہیں۔ مگر کمپنی ڈوبنے والی ہے!"

"کیا ہوا؟"

پلٹو نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ بولا۔

"کچھ پلاؤ تو بنائیں۔"

"ابھی تو منتقل کر دی ہے؟"

"دس روپے میرے پاس ہیں" پلٹو نے ایک نوٹ نکال کے کہا۔

"منگاؤ!"

میں نے عبدل کو پیسے دیئے۔ وہ ٹھرّا اور کچھ کھانے کے لئے کباب لے کر آیا۔ دور چلنا شروع ہو گیا۔ میں نے بھی شروع شروع میں کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ جب پلٹو مستی میں آئے گا تو خود ہی بیان کرے گا۔

مگر پلٹو کو مستی میں آنے کے لئے بہت دیر لگی۔ کوئی ایک بجے کے قریب جب وہ سرور میں آیا، تو بیان کرنے لگا

"ابھی پکچر کی ہیروئن غائب ہے! ___ آرادھنا ___"

"غائب ہے؟ ___ مگر تم لوگ کیا اُسے آؤٹ ڈور شوٹنگ پر نہیں لے گئے تھے؟"

"لے تو گئے تھے، پھر اُدھر سے ہی وہ غائب ہے۔"

"کیسے غائب ہے؟"

"وہ لوگ کو اگ کے جنگلوں میں آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لئے گئے تھے۔ پندرہ دن کی شوٹنگ تھی۔ ہیروئن کا بہت کام تھا۔ دس دن آرادھنا جم کے کام کرتی رہی۔ گیارہویں دن صبح جب بیرا ڈاک بنگلہ میں جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے، اس کے کمرہ میں صبح کی چائے دینے گیا تو آرادھنا غائب تھی۔ بہت ڈھونڈا بہت ڈھونڈا، پر کہیں نہیں ملی ___ ہاں، ڈاک بنگلہ سے باہر کچھ فاصلہ پر خون کے نشان ملے ___!

"ارے!" میں نے حیرت سے کہا۔

"کوئی شیر چیتا اُسے کھا گیا ہو گا"

"نہیں!"

پلٹو نے ہاں میں سر ہلایا۔

"خلاص!"

میں تھوڑی دیر چُپ رہ کر بولا۔

"اب کیا ہو گا؟"

سیٹھ لوگ کچھ بولتا نہیں ہے — پر اپنے کو لگتا ہے کہ کمپنی ٹوٹ جائے گی"

"کیوں ڈوب جائے گی؟ — اتنی بڑی فلم ہے۔ کسی دوسری ہیروئن کو لے کر دوبارہ اس کا رول شوٹ کر لیں گے"

"نکّو" پلٹو اپنا گلاس خالی کر کے اسے دوبارہ بھرتے ہوئے بولا "ہیروئن کا بہت کام ہے۔ نوی ہیروئن دس لاکھ کی آئے گی۔ ہیرو، ولن، باقی سب لوگ کا نوا کنٹریکٹ کرنا پڑے گا۔ پھر سے آؤٹ ڈور شوٹنگ پر جانا پڑے گا۔ تیس چالیس لاکھ کا خرچہ ہو جائے گا۔"

"باپ رے"

"اس لئے تو بولتا ہوں" پلٹو نے بڑے دانشمندانہ طریقہ سے سر ہلایا۔ پھر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کے بولا "کسی سے کہنا مت۔ ابھی سیٹھ لوگ نے سب سے چُھپا کے رکھا ہے"

"آرادھنا کے ماں باپ کو پتہ نہیں ہے؟"

"ماں تو اُس کی ہے نہیں۔ باپ بلائیت گیا ہے تین مہینے کیلئے۔

مگر سیٹھ لوگوں نے اس کو بھی کھبر نہیں کیا ہے۔" بلٹو اب اپنے اصلی رنگ پہ واپس آ رہا تھا۔ ایک سیٹھ بولتا تھا اس کو کھبر کر دو۔ دوسرا بولتا تھا اسے مت بولو۔ ٹیلی گرام بھی مت کرو۔۔۔ ابھی ہم سوچ کے بولے گا۔"

"اخباروں میں تو یہ خبر آئی نہیں۔"

"کسی کو نہیں بتایا ہے۔ کمپنی میں بھی لوگوں کو معلوم نہیں ہے، کھود ہیرو کو معلوم نہیں ہے۔ سب کو یہی بولا ہے کہ ہیروئن ایک دم بیمار پڑ گیا، بنگلور چلا گیا۔ ڈاکٹر لوگ نے دو مہینہ آرام کرنے کو بولا ہے۔۔۔ ایسا سب کو بتایا ہے۔"

"باپ کو تو خبر کرنا تھا۔"

"سیٹھ لوگ کی مرجی۔۔۔ ہم کیا بول سکتا ہے؟"

"اور اس کا کوئی سگے والا نہیں ہے۔۔۔ بمبئی میں؟"

"نہیں۔۔۔ اور ہو گا بھی تو ہم کو مالوم نہیں۔۔۔ اُدھر کمپنی میں کوئی نہیں آیا۔۔۔"

"تو اب سیٹھ لوگ کیا کرے گا؟"

"کیا کرے گا۔ پا ٹیا آؤٹ کرے گا اور کیا کرے گا۔" بلٹو نے ایک لمبا گھونٹ لے کر زور کا چیخنا ابھرا مگر اس کا لہجہ بہت ہی تلخ تھا۔۔۔

کوئی دو بجے کے قریب جب بلٹو بھی تقریباً آؤٹ ہو چکا

تھا، جمنا سولھویں سڑک سے تھکی ہاری مایوس و نامراد لوٹی۔

پریم ورما ہولے ہولے ایک کونے میں پڑا کراہ رہا تھا — وہ آتے ہی اُدھر چلی گئی اور اس کے ہاتھ پاؤں دابنے لگی، اور سرگوشیوں میں سر ملا ملا کر باتیں کرنے لگی، مگر بلٹو نے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ اس نے اسے دیکھا تک نہیں۔ اس وقت اس کی نگاہ صرف اپنے گلاس پر تھی۔

جب دارو کا آخری قطرہ ختم ہو گیا تو اس نے اٹھ کر چلنے کی ٹھانی۔ میں نے اس سے کہا اب بہت دیر ہو چکی ہے، اب کہاں جاؤ گے۔ یہیں پڑ کے سو جاؤ۔ مگر وہ نہیں مانا۔ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے چلنے لگا۔ یکایک اس کی نگاہ جمنا پر پڑی، جو پریم ورما کے پاؤں دبا رہی تھی۔ اس کا آدھا رُخ بجلی کی شفاف روشنی سے اس قدر روشن تھا کہ چہرے کی ساری چھائیاں روشنی نے مٹا ڈالی تھیں۔ بالوں کی ایک لٹ لہرا کر رُخ پر اتر آئی تھی، اور گہری اُداسی میں ڈوبی ہوئی وہ پریم ورما کے پاؤں دبا رہی تھی۔

اسے دیکھ کر بلٹو ٹھٹکا، چونکا۔ اس نے اپنی آنکھیں مل کر دوبارہ جمنا کو غور سے دیکھا، پھر مجھ سے پوچھنے لگا۔

"یہ کون ہے؟"

میں نے کہا "جمنا ہے۔"

"نہیں!"

"ہاں یہ جمنا ہے، سولھویں سڑک پر دھندا کرتی ہے۔"

"نہیں — یہ تو بالکل وہی ہے!"

"وہ کون؟"

"بالکل وہی ہے" پلٹو تقریباً چیخ کر بولا۔ پھر پلٹ کر ایک خالی چلتی ہوئی ٹیکسی کو آواز دے کر بولا۔

"ٹیکسی!"

دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ٹیکسی ایک دم رک گئی۔ جلدی سے پٹ کھول کر پلٹو اس میں بیٹھ گیا اور مضطرب لہجہ میں بولا۔

"سات نمبر۔ ہیڈ روڈ پر لے چلو — فوراً اور جلدی اور یاکدم!"

پیشتر اس کے کہ میں پلٹو سے کچھ پوچھ سکتا، وہ ٹیکسی کو لے کر ہوا ہو گیا تھا۔

کوئی پانچ بجے کے قریب، جب میں گہری نیند میں سویا پڑا تھا کسی نے مجھے جھنجھوڑ کر جگایا۔ میں نے لیٹے لیٹے ایک آنکھ کھول کر دیکھا، میرے سر پہ بیٹو کھڑا تھا اور زور زور سے ہاتھ ہلا کر مجھے اُٹھ جانے کو کہہ رہا تھا۔

"سونے دو!" میں نے آنکھ بند کر کے کروٹ لیتے ہوئے کہا۔

"ارے اٹھو!" وہ مجھے پھر جھنجھوڑ کر بولا۔

"کیوں، کیا بات ہے؟" میں نے اٹھ کر آنکھیں ملتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"وہ لڑکی کہاں ہے؟"

"کونسی لڑکی؟"

"وہ جو رات کو اِدھر دَرما کے پاؤں دبا رہی تھی!"

"ارے ـــ جمنا؟"

"ہاں ـــ وہ کدھر ہے؟"

میں نے دونوں آنکھیں اچھی طرح سے کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہ اُدھر گرجے کے آہنی جنگلے سے لگی خٹ پاتھ کی طرف بیٹھ کے لیٹی تھی اور اس لئے دکھی اوجھل تھی کہ وہ بیسٹ کمپنی

کے چوبی کیبن کے بالکل پیچھے سو رہی تھی۔ ایک طرف سے اسے گرجا گھر کے جنگلے، گل مہر کے پھول بلکہ پیڑ اور بلو گرا ئونڈ کی آڑھ مل جاتی تھی، دوسری طرف کے چوبی کیبن کا پردہ ہو جاتا تھا اور یہ جگہ فٹ پاتھ کی آمد و رفت کی جگہ سے بھی ذرا دور پڑ جاتی تھی، اس لئے یہاں رات کی ماتی جمنا کو صبح سونے کے لئے زیادہ وقت مل جاتا تھا۔ چوبی کیبن کے پیچھے سے اس کے دو گندے میلے پاؤں نکلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

میں نے کہا "وہ لکڑی کی کیبن کے پیچھے سو رہی ہے۔ کیوں؟"

"اس سے بات کرنے کا ہے۔"

"کیا بات کرنے کا ہے؟"

پلٹو نے میری بات کا براہ راست جواب نہ دیا۔ بولا

"سیٹھ لوگ آ ئیلا ہے۔"

"سیٹھ لوگ؟ —— یہاں؟ —— کہاں؟" یک دم میری آنکھیں نیند سے خالی ہو گئیں۔ میں بالکل جاگ کر چوکنا ہو گیا ——

دو بڑی گاڑیاں فٹ پاتھ کے کنارے کھڑی تھیں۔ ایک میں داؤد مکرانی تھا، دوسری میں سندر لیس جانی —— داؤد مکرانی کلابہ میں رہتا تھا اور سندر لیس جانی بیڈ روڈ پہ۔ پلٹو دونوں کو اٹھا کے لایا تھا۔ دونوں اس وقت اپنی اپنی گاڑیوں کو خود ڈرائیو کر رہے تھے اور شب خوابی کے لباس

ہیں تھے۔

پلٹوٹو نے سیٹھوں کی طرف دیکھ کے ہاتھ ہلایا۔ اُنھیں کاڑیوں سے نکل کر فٹ پاتھ پر آنے کا اشارہ کیا، اور پھر میری طرف اشارہ کیا۔ دونوں سیٹھ مسکراتے ہوئے اپنی کاڑیوں کے پٹ کھول کر نکلے اور میری طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے دونوں ایک ساتھ بولے۔

"کہو پینیٹر ماسٹر! — مجے میں ہو؟"

پھر داؤد بولا

"بس جانی! میں نے تم کو بولا تھا نا ن شاعر اور ادیب کو دھن دولت کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ فٹ پاتھ پہ رہتا ہے، پر میرے تیرے رُپیوں کو لات مار سکتا ہے!"

"A poet is a prophet"

سندر بس جانی کی مسکراہٹ پلاسٹک کی سطح کی طرح شفاف اور چکنی تھی۔

پھر جانی نے کچھ کہے بغیر پلٹوٹو کی طرف دیکھ کر آنکھ سے ایک سوالیہ اشارہ کیا، جو مجھ سے چھپا نہ رہ سکا۔ پلٹوٹو نے لکڑی کی کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں سیٹھ پلٹوٹو کے پیچھے پیچھے ہوئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ ہم سب اپنی فٹ پاتھ چھوڑ کر چوبی کیبن کے پیچھے جاکر جمنا کے سر پر کھڑے ہو گئے۔

جمنا گہری نیند سوئی تھی۔ اس نے اپنے چہرے پر ساڑھی کا آنچل ڈال لیا تھا۔ وہ آنچل اس کی لمبی لمبی سانسوں سے دھڑکتا

ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"جگاؤں؟" بلٹو نے پوچھا۔

میں حیرت سے بلٹو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ کیا ماجرا ہے؟

"نہیں" داؤد بولا "آہستہ سے اس کا آنچل سرکا دو۔"

بلٹو نے جھک کر بڑی ہوشیاری سے جمنا کے چہرے سے آنچل سرکا دیا۔ یکایک دونوں سیٹھ اس کے چہرے کو دیکھ کر چونکے۔ پھر غور سے دیکھنے لگے۔ پھر جمنا کو غور سے دیکھنے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اتنے میں جمنا نے کسمسا کر ایک کروٹ لی اور اب اس کا آنچل پھر اس کے رُخ پر ڈھلک گیا۔ بلٹو نے پھر بڑی ہوشیاری سے اس کا آنچل اٹھایا اور جمنا کا رُخ سیٹھوں کو دکھایا۔ رُخ دیکھ کر داؤد سیٹھ نے انگلی اپنے دانتوں تلے دبالی اور فیصلہ کن نگاہ سے سندر سین جانی کی طرف دیکھا۔

میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ لوگ اس قدر غور سے جمنا کو کیوں دیکھ رہے ہیں۔ جمنا بھی کوئی دیکھنے کی چیز ہے۔ دبلی پتلی بانس کی کھپچی، گندی، میلی، فاقوں ماری جمنا میں دیکھنے کو کیا رکھا ہے۔ بلٹو استفہامیہ نگاہوں سے داؤد سیٹھ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"جگا دوں؟"

"جگا دو" سندر جانی نے کہا۔

"مگر کیوں؟" آخر مجھ سے رہا نہ گیا۔ "کیوں جگاؤ گے اس کو؟ بے چاری رات کو بہت دیر میں سوئی ہے صبح ہمیشہ دیر سے اٹھتی ہے!"

"جگا دو" جانی نے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

بلو نے اچھی طرح سے دو تین بار جھنجھوڑ کر جمنا کو جگایا۔ جمنا آنکھیں ملتے ہوئے جاگ گئی اور اس کر پاؤں پسارے فٹ پاتھ پر بیٹھی ہوئی بڑی حیرت سے ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"فلم میں کام کرو گی؟" داؤد سیٹھ نے پوچھا۔

جمنا کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہم تم کو کوٹھی دے گا، بنگلہ دے گا، گاڑی دے گا، پیسہ دے گا، فلم میں کام کرو گی؟"

جمنا وہیں فٹ پاتھ کی خاک پر پاؤں پسارے حیرت سے ہماری طرف تکے جا رہی تھی۔ اس کا منہ کھلا تھا، آنکھیں حیرت سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔

"ہم تم کو لینے آئے ہیں" سندرس جانی بولا "اٹھو، اٹھ کر ہماری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

جمنا اٹھ کر اپنی ساڑھی سے خاک جھاڑنے لگی۔ جلدی جلدی اپنے بال جھاڑنے لگی اور ٹھیک کرنے لگی، مگر اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ماجرا ہے؟

داؤد مکرانی اور سندرس جانی مڑ کر فٹ پاتھ کراس کرتے ہوئے گاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ سندرس جانی نے اپنی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ جمنا گاڑی کے اندر بیٹھ گئی۔

پھر یکایک گھبرا کر باہر نکلی اور فٹ پاتھ پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہے؟" بلو نے ذرا سختی سے پوچھا۔

جمنا نے خاموشی سے پریم ورما کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ میرا گھر والا ہے"۔

"اس کو بھی ساتھ لے چلو" داؤد سیٹھ بولا۔

پریم ورما کو جگا کر جمنا کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ جب سندر بس جانی گاڑی سٹارٹ کرنے لگا تو جمنا پھر گھبرا کر بولی۔

"بھیا نہیں چلیں گے؟" یہ میری طرف اشارہ تھا۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں، ان کو بھی ساتھ لے چلو۔ ان کی بھی ہمیں ضرورت ہے"۔ جانی نے میری طرف اس طرح دیکھا گویا مکھن کا پورا ڈبہ میرے چہرے پر مل دیا۔

وہ بولی "اور تانتیا میرا ماموں ہے، باسکو میرا باپ ہے، عبدل میرا چھوٹا بھائی ہے، ان سب کو بھی لے چلو"۔

اس نے بڑی لجاجت سے داؤد سیٹھ اور سندر بس جانی کی طرف دیکھا۔ داؤد سیٹھ اور سندر جانی نے بس چند لمحوں کے لئے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ایک ہی جواب دونوں کی آنکھوں میں ابھرا۔ دونوں ایک ساتھ بولے۔

"ٹھیک ہے۔ سب چلو"۔

بلٹو اور میں نے باسکو کو جگایا۔ وہ گھبرا کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا پولیس اسے پکڑنے کے لئے آگئی ہے۔ یہی حال تانتیا کا بھی ہوا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح سے انھیں جلد ہی میں نے اس مختصر سی صورتِ حال سے جتنی کہ مجھے معلوم تھیں انھیں آگاہ کیا اور راضی کر لیا۔

دونوں گاڑیاں بھر گئیں۔ سندر جانی کی گاڑی میں جمنا اور پریم ورما بیٹھے۔ داؤد سیٹھ کی گاڑی میں میں اور عبدل، بابکو اور رتنا منیا۔ اس طرح سے پانچوں نوفردوں کا قافلہ پرکالہ پروڈکشن کے سیٹھوں کی گاڑیوں میں لد کر فٹ پاتھ سے رخصت ہوگیا۔

گاڑیاں ماہم بازار سے شیواجی پارک اور شیواجی پارک سے ورلی ہوتی ہوئی حاجی علی رحم کے ناکے پر پہنچ کر وارڈن روڈ کی طرف گھوم گئیں اور بیچ کینیڈی کے علاقہ میں پہنچ کر ایک ساتمنزلہ بلڈنگ کے سامنے رک گئیں۔

بلڈنگ کا نام تھا ـــ "رانڈے دو!"

یہاں سب لوگ اترے اور اتر کر بلڈنگ کے اندر گئے۔ لفٹ سے پانچویں منزل پر پہنچے۔ سندر جانی نے ایک فلیٹ کے بند دروازے کے باہر کھڑے ہو کر گھنٹی بجائی۔ ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔ سندر جانی پہلے داخل ہوا۔ اس کے بعد ہم سب کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ہم سب لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے۔

ایک بڑھیا ڈرائنگ روم میں ہم سب کو بٹھا کر سندر جانی نے گھنٹی بجا کر سب کے لئے شربت منگانے کا آرڈر دیا۔ شربت پلا کر وہ جمنا، پریم ورما اور مجھے اٹھا کر وہاں سے اندر کے ایک کمرے میں لے گیا۔ داؤد مکرانی بھی ہمارے ساتھ تھا۔ جب سب آرام سے صوفہ پر بیٹھ چکے تو داؤد مکرانی نے اپنی جیب سے سونے کا ایک

سگریٹ کیس پیش کر کے ایک سگریٹ اس نے خود سلگالیا، اور بڑے آرام سے اس کا دھواں چھوڑتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"اب بولو!"

"ہم کیا بولیں"! میں نے کہا "تم بولو"

داؤد سیٹھ نے قدرے توقف کیا۔ ایک لمبا کش لیا۔ پھر اس کا دھواں چھوڑ کر بولا۔

"سب بتاتا ہے۔ پر قسم کھاؤ کسی کو بولے گا نہیں"!

"قسم کھاتا ہے، نہیں بولے گا"! میں نے کہا۔

"ہماری ہیروئن کا ڈیتھ ہو گیا ہے۔ مکوارک کے جنگل میں شوٹنگ کرنے کو گیا تھا، ادھر رات کو اس کو چیتا کھا گیا"۔

"تم کو کیسے معلوم ہوا؟" پریم ورما نے پوچھا۔

"صبح ادھر ڈاک بنگلہ کا کھڑکی ٹوٹا ملا جس کمرہ میں مس اندلدھنا سوئے لا تھا، ادھر بستر پہ صبح کو وہ نہیں تھی۔ پھر کھڑکی کا کانچ ٹوٹا تھا اور ڈاک بنگلہ کے باہر خون کا نشان بھی ملا۔۔۔ ہم نے پولیس میں رپورٹ بھی دیا۔ پھر دے دلا کے اخبار والے کو چپ رکھا ہے ادھر۔۔۔ نہیں تو بہت جھنجھٹ ہو جاتا۔۔۔ سب ڈسٹری بیوٹر لوگ ہماری جان کو آجاتا۔ جن لوگ نے اپنا پیسہ پکچر میں دیا ہے، وہ سب ہم سے واپس مانگتا۔ اور ہم بیچارہ پیدی والا ہے۔ کوئی ایسا دیبا پروڈیوسر نہیں ہے کہ ٹوپی جھاڑ کے الگ ہو جاتا۔۔۔ سمجھے؟"

"وہ تو سمجھا۔۔۔ پر یہ نہیں سمجھا کہ ہم لوگ بیچ میں کیسے آتا ہے؟"

"اب ہم جمنا بائی کو ہیروئی لینا منگتا۔"

"جمنا کو؟" میں حیرت سے چیخ اٹھا۔

"ہاں،" سندر بولا۔ "اس کی صورت مس آرا دھنا سے بہت ملتی جلتی ہے۔"

"مس آرا دھنا سے! ہو نہیں سکتا۔" میں حیرت سے جمنا کو دیکھنے لگا۔ وہ بھی حیرت سے اکدم مڑ کر قریب کے دیوار گیر آئینہ میں اپنی صورت دیکھنے لگی۔ پھر ایک دم اپنی کھوکھلی ہنسی ہنس کر بولی۔

"تیرا بھیجہ پھر یلا ہے سیٹھ... علاج کرنے کو منگتا۔"

داؤد سیٹھ نے کانچ کی ایک تپائی سے تصویروں کا ایک البم اٹھایا اور پریم ورما کے ہاتھ میں دے کر بولا۔

"تم دیکھو، تم اس کا گھر والا ہے۔"

پریم ورما البم کھول کے دیکھنے لگا۔ اس البم میں مس آرا دھنا کی بہت سی تصویریں تھیں۔ جمنا بھی اس البم پر جھک گئی۔ میں بھی۔ پریم ورما بڑے غور سے مس آرا دھنا کی تصویریں دیکھتا جاتا تھا، میں نے اور جمنا نے دو تین تصویروں کے بعد دیکھنا بند کر دیا۔ ضرور ان سیٹھوں کا دماغ خراب ہے۔

تصویریں دیکھ کر پریم ورما نے البم بند کر دیا۔ مسکرا کر بولا۔

"تھوڑی سی مشابہت تو ضرور ہے، رخ تو بالکل ملتا ہے۔ مگر سامنے سے پورا چہرہ دیکھو تو فرق معلوم ہوتا ہے۔"

"فرق تو ہے — ایک دم ڈِٹو (DITTO) تو نا ہیں، پر ہم اس فرق کو مٹا ڈالے گا۔"

"ہمارے خیال میں تو بہت فرق ہے۔"

"بہت تو نہیں" پریم ورما نے اقبال کیا۔ "مگر ہاں فرق ضرور ہے۔"

"ایے تم کیا بات کرتا ہے پینٹ ماسٹر!" داؤد سیٹھ مجھ پر خفا ہو کے بولا۔ "تم اس کو کیمرہ کی آنکھ سے دیکھو۔ ہم کیا ایسے ہی بولتا ہے۔ لاکھوں کا رسک لے گا۔ جمنا بائی کو اپنی ادھوری پکچر میں لے کر ——— تو کیا ایسے ہی لاکھوں کا رسک لیتا ہے؟ ہم بھی کچھ سمجھتا ہے ..." پھر یہ دیکھ کر کہ مجھے غصہ آ رہا ہے، سیٹھ داؤد نے اپنا لہجہ یک لخت بالکل بدل دیا۔ اور مجھے بڑے مشفقانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے بولا۔

"دیکھو بھائی! ہم ایسا کرتا ہے کہ ہم جمنا بائی کا سکرین ٹسٹ لیتا ہے۔ تم ابھی اس کے چہرے کی چھائیں دیکھتا ہے، اس کی آنکھوں کے نیچے کا کالا داغ دیکھتا ہے، اس کا میلا کپڑا دیکھتا ہے، اس کا گندا بدن دیکھتا ہے۔ ہم اس کو کیمرہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ پندرہ سال سے ہم فلم لائن میں ہے۔ کوئی چھانس نہیں کرتا ہے۔ تم دیکھو بھائی ——— ہم آج ہی اس کا سکرین ٹسٹ لے کے دکھاتا ہے ——— بزنس کی بات پھر کریں گا۔"

"او۔ کے" پریم ورما بولا۔

"جب تک آپ لوگ یہیں رہیں گے" سندر جانی نے اپنی شرطیں پیش کرتے ہوئے کہا۔ "اس معاملہ پر کسی سے بات نہیں کریں گے۔ کسی کو کچھ بتائیں گے نہیں، زیادہ اِدھر اُدھر گھومیں گے نہیں ———

رات کو اسی فلیٹ میں سوئیں گے۔ ادھر ہی آپ سب لوگ کے کھانے پینے سونے کا بندوبست رہے گا۔ اور جمنا بائی کو تو کسی حالت میں فلیٹ سے باہر نہیں جانا چاہیے —— یہ ہمارا Request ہے۔"

"او۔کے" پریم ورما نے ایک تجربہ کار فلمی آدمی کی طرح اپنے چہرہ پر ایک شاطر مسکراہٹ لاکر کہا۔

"میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے" سندریس جانی نے اس سے کہا۔

"میں نے بھی" داؤد سیٹھ بولا۔

"ضرور دیکھا ہو گا۔ لاکھوں لوگوں نے مجھے دیکھا ہے"

"فٹ پاتھ پر نہیں" داؤد بولا "فٹ پاتھ پر تو ضرور لاکھوں لوگوں نے دیکھا ہو گا۔ پر کہیں اور دیکھا ہے میں نے —— ایسا لگتا ہے مجھ کو۔"

"فلم کے پردے پر دیکھا ہو گا۔" پریم ورما بولا —— "میں پریم ورما ہوں"

"ارے!" بے اختیار داؤد سیٹھ کے منہ سے نکلا۔ وہ اور سندریس جانی بڑی حیرت سے کئی لمحے پریم ورما کو تاکتے رہے۔ پھر ایک دم دونوں آگے بڑھ کر دائیں بائیں دونوں طرف سے پریم ورما سے بغلگیر ہونے کی کوشش کرنے لگے۔ اور اس سے ہاتھ ملانے لگے اور کہنے لگے "بس اب کام بن گیا۔ یہ بزنس سمجھتے ہیں۔ اب انہی سے بات ہو گی"

یکایک پرائیویٹ روم کا دروازہ کھلا اور ریا سکو نمودار ہوا۔

وہ لوہے کا پورا اس چھوٹے سے دروازہ میں سمایا ہوا تھا۔ بڑی خطرناک آواز میں بولا۔

"ہم کو بھوک لگ رہی ہے، ناشتہ کرے گا۔"

سندریس جانی نے کہا،

"یہ فلیٹ ہم لوگوں نے مہمانوں کے لئے رکھا ہوا ہے، مگر ابھی جلدی جلدی میں سب کچھ ہو گیا۔ آپ لوگوں کے آنے کی کس کو اطلاع تھی۔ آج رات تک۔ ادھر کھانے پینے کا سب بندوبست چالو ہو جائے گا۔ جب تک۔۔۔۔"

سندریس جانی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سو کا ایک پتہ نکالا، باسکو نے اسے فوراً اچک لیا اور پھر ہماری طرف دیکھ کر بولا۔

"چلو ناشتہ کریں باہر جاکر۔"

"آپ لوگ جاؤ۔" داؤد سیٹھ بولا۔ "جمنا بائی اور ورما صاحب کو ادھر چھوڑتے جاؤ۔ ہم ان کے سنگ بزنس کی بات کرے گا۔"

میں اٹھا اور ہاتھ ڈال کر باسکو کے ساتھ کمرہ سے باہر نکل گیا۔ ایک کوریڈور میں سے گذر کر واپس اس سجے ہوئے ڈرائنگ روم میں پہنچے تو باسکو ڈرائنگ روم کے شاہی ٹھاٹ باٹ دیکھ کر بہت ہنسا اور بولا۔

"ہم ایسا ایسا گھر میں کئی بار چوری کیا۔ کبھی کچھ نہیں ملا۔ خالی ٹیلیفون ہوتا، ریڈیو گرام ہوتا اور ٹھنڈا پانی کی بوتل ہوتا، اور کچھ نہیں ملا کبھی ——— ایسا لوگ بہت چالاک ہوتا ہے، کبھی گھر پہ کچھ نہیں رکھتا۔"

میں نے کہا "یہ لوگ روپیہ بینک میں رکھتے ہیں، زیور لاکرز میں، دھرم مندر میں۔ یہ لوگ خود چور ہیں، تمھارے سارے ہتھکنڈے جانتے ہیں!"
باسکو زور سے ہنسا۔ عبدل کی پیٹھ پر تھپکی دے کر بولا "آج سے ہم لوگ چور نہیں رہا، ہیرو ئن کا باپ ہو گیا ہے!" پھر عبدل کو سو کا نوٹ دکھاتے ہوئے بولا "یہ کھالی ناشتہ کو لاہے۔ تو مجھے ڈنر کے لیے کیا ملے گا!"
پہلے تو ہم لوگ بیچ کینیڈی پہ اپنے مطلب کا کوئی ریستوران ڈھونڈتے رہے۔ ریستوران تو تین چار تھے مگر وہ سب کے سب اس قدر ہائی کلاس تھے، چھری کانٹے والے، بھڑکیلے ٹمپر پیچر والے، گڑیوں کی طرح نازک عورتوں والے، کانونٹ کی گورہ شاہی ہندوستانی میں بات کرنے والے، کہ اندر جانے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی اندر جانے کی ہمت نہیں پڑی، حالانکہ ہمارے پاس اندر جانے کا پروانہ راہداری موجود تھا۔ مگر ایک چیز سخاوت بھی تو ہوتی ہے۔
اس لیے ہم — ہر ایک ہائی کلاس ریستوران میں جاکر، بلکہ دروازہ تک جاکر لوٹتے رہے۔ آخر باسکو جھلاکر بولا۔
"اندر جاکر کچھ بجا نہیں آئے گا — چلو حاجی علی کے ہوٹل میں... اکے پر...!"

جب ہم حاجی علی کے ہوٹل سے ناشتہ کر کے (ایسا ناشتہ جو لنچ اور ڈنر کے مساوی تھا) واپس فلیٹ پر پہنچے تو فلیٹ کے اندر شدید گرمی کے آثار نمایاں تھے۔ ڈرائنگ روم میں کپڑے والا عمدہ ساڑھیاں لئے بیٹھا تھا۔ امی ٹیشن جیولری کے ڈبے پر ڈبے کھولے جا رہے تھے۔ ایک کونے میں درزی جمنا کے بلاؤز سی رہا تھا۔ دوسرے کونے میں میک اپ والا اپنا سامان لئے بیٹھا تھا۔ ایک صوفہ پر ایک اینگلو انڈین ہیر ڈریسر اپنی بے چین انگلیوں سے کھیلتی ہوئی بیٹھی تھی۔ پریم ورما نے اطلاع دی کہ دو عورتیں جمنا کو باتھ روم میں لے جا کر نہلا رہی ہیں اور اس کے بالوں کو شیمپو کر رہی ہیں۔

خوشبودار صابنوں سے نہلا کر جمنا کو ایک بڑے تولیہ میں شیمپین کی بوتل کی طرح لپیٹ کر ایک خوابگاہ میں پہنچا دیا گیا۔ جب ہیر ڈریسر اور میک اپ کا اہتمام ہو گیا تو درزی اور کپڑا بدلنے والی عورت کو اس خوابگاہ میں لے جایا گیا۔ اتنے میں پرکالہ پروڈکشن کا کیمرہ مین اپنا کیمرہ اور چند لائٹیں لے کر آن پہنچا۔ ہم سب لوگ بڑی بے چینی سے ڈرائنگ روم میں کھڑے

یا بیٹھے اس عجیب و غریب ڈرامے کو چپ چاپ دیکھ رہے تھے۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد جمنا اپنی خوابگاہ سے نکل کر کوریڈور میں نکل آئی۔ خراماں خراماں چلتے ہوئے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھنے لگی۔

ہم تو اسے دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔ سفید ساڑھی میں ملبوس، سلور کے جڑاؤ زیور پہنے ہوئے کسی اونچے پگوڈا کی مانند ہیراسٹائل اختیار کیے ہوئے وہ بڑی شان اور تمکنت سے پدم درما کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی۔ کیا یہ وہی فٹ پاتھ والی جمنا ہے یا جنت کی کوئی حور ہے؟

"بلاڈی بچ!" بے اختیار باسکو کے منہ سے ایک تیز سرگوشی کی صورت میں نکلا۔ پھر اس نے جلدی سے اپنا منہ بند کر لیا۔

جمنا ہمیں دیکھ کر مسکرائی۔ کیسے چمکیلے موتیوں کی طرح آبدار دانت تھے۔ وہ بھورے میلے دانت کیا ہوئے۔ چہرہ کی وہ چھائیاں کہاں گئیں؟ کیا جمنا کی آنکھیں اتنی ہی بڑی اور پرکشش تھیں۔ ناک ایسی ہی ستواں تھی؟ چند گھنٹوں میں اس کے رخساروں پر یہ گلاب کیسے کھل اٹھے؟ یہ جوان سینہ کدھر سے ابھر آیا۔ میں تو اس حیرت انگیز کایا کلپ کے معجزے کو دیکھ کر ماڈرن حسن کاروں کی کرامات کا قائل ہو گیا۔

جمنا چلتے چلتے ڈرائنگ روم کے اندر آ گئی۔ سب لوگ سانس روکے ہوئے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ واقعی اب آرادھنا اور جمنا کی مشابہت نمایاں ہو چلی تھی۔ مجھے اور باسکو، تانتیا

اور عبدل کو بھی صاف نظر آ رہی تھی۔

کیمرہ مین نے اپنا کیمرہ ٹھیک کیا۔ لائٹس درست کیں۔ بلگ لگا کر روشنی کی۔ ہم سب دم سادھے ہوئے اسے اور جمنا کو دیکھ رہے تھے۔ کبھی وہ جمنا کو صوفہ پر بٹھا رہا تھا۔ جمنا ایک رنگین تصویروں والا فلم ویکلی دیکھ رہی تھی۔ کبھی صوفہ سے اٹھ کر تپائی پر سے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر ٹیلیفون کر رہی تھی، کبھی گلدان پر جھکی ہوئی پھول سجا رہی تھی۔ کبھی قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑی اپنی زلفیں سنوار رہی تھی۔ یہ تو جمنا نہ تھی، کوئی مشاق ایکٹریس معلوم ہوتی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے مجھے گمان گزرا جیسے ان لوگوں نے ہماری جمنا کو لے جا کر کسی باتھ روم میں بند کر دیا ہے اور آرادھنا کو باہر نکالا ہے۔

رات کو ہم لوگ اسی فلیٹ میں سوئے۔

پریم ورما اور جمنا کے لئے ایک بیڈ روم دیا گیا۔ تانتیا اور عبدل کے لئے الگ ــــ ایک بیڈ روم مجھے اور باسکو کو سونے کے لئے دیا گیا ــــ

پریم ورما کی دیکھ بھال کے لئے کینسر کے مرض کے ماہر ایک ڈاکٹر کو تعینات کر دیا گیا۔ جس کے لئے یہ طے کر دیا گیا کہ وہ دن میں دو بار آ کے مریض کو دیکھا کرے۔

باسکو کو بیڈ روم کی مدھم مدھم روشنی میں نیند نہیں آ رہی تھی۔

اس لیے روشنی گل کر دی گئی پھر اسے اندھیرے سے الجھن ہونے
لگی۔ پھر روشنی کر دی گئی۔ پھر اسے ایئر کنڈیشنڈ کمرہ کے ٹھنڈے
ٹھنڈے ٹمپریچر سے وحشت ہونے لگی۔ ایئر کنڈیشنر بند کر دیا گیا۔
پھر اسے گرمی لگنے لگی۔ چنانچہ پنکھے کھول دیئے گئے۔ پھر اس کا دم
ریشمی مچھر دانی کے اندر گھٹنے لگا۔ ریشمی مچھر دانی ہٹا دی گئی، پھر
اسے بستر کی ریشمی چادریں چبھنے لگیں۔

ایک جست لگا کر باسکو پلنگ سے نیچے غالیچہ پر آ رہا تو غالیچہ
کی دبیز گدگدی سطح کے اندر اپنے کانٹے سے محسوس ہونے لگے۔ میں
اپنے بستر پر لیٹا لیٹا اس کی حرکتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ آخر
باسکو نے غالیچہ کو بھی اٹھا کر تہہ کر کے ایک کونے میں کھڑا کر دیا۔
پھر کمرہ کی کھڑکیاں کھول دیں، پھر اپنے سب کپڑے اتار کے اور
صرف ایک چڈی پہنے بیڈ روم کے ننگے فرش پر دراز ہو گیا اور
تھوڑی دیر کے بعد اطمینان کے لمبے لمبے سانس لیتا ہوا گہری
نیند میں کھو گیا۔

دوسرے دن کیمرہ مین نے صبح گھانے کر کی لیبارٹری سے ٹیلیفون
کیا۔ سکرین ٹسٹ کا رش پرنٹ تیار ہے۔ آ کے دیکھ لیجیے — ہم
سب گاڑیوں میں لدے پھندے گھانے کر کی لیبارٹری میں پہنچے۔
سب سے پہلے جا کے آرادھنا کی چند چلتی پھرتی تصویریں دیکھیں۔
جو زیر تکمیل فلم سے کاٹ کر دکھائی جا رہی تھیں۔ اس کے بعد جسٹا

کے سکرین ٹسٹ کا پرنٹ چلایا گیا۔ مشابہت اور بھی واضح ہو چلی تھی۔ لانگ شاٹ اور مڈ شاٹ میں تو کسی طرح کا فرق ہی نہ معلوم ہوتا تھا۔ دونوں کی صورتیں ایک سی دکھائی دینے لگیں۔ ہاں کلوز شاٹ میں جمنا کے بائیں گال پر ایک تل نظر آتا تھا جو آرادھنا کے ہاں نہیں تھا۔

"اِس تِل کو چھپایا جا سکتا ہے میک اپ سے!" کیمرہ مین نے بتایا اور میک اپ مین نے اس کی تائید کی۔

مگر جمنا آرادھنا آرادھنا سے بہت دبلی دکھائی دیتی تھی — کیمرہ مین نے بڑی سختی سے دونوں کو جانچتے ہوئے کہا۔

سب چپ رہے۔

"اور اس ٹھوڑی کا کیا ہوگا؟" کیمرہ مین نے پھر رش پرنٹ دکھاتے ہوئے سیٹھوں سے پوچھا۔

بال، بھنویں، رخسار، آنکھ، کان، ہونٹ سب ٹھیک ٹھیک تھے۔ مگر آرادھنا اور جمنا دونوں کی ٹھوڑیاں ذرا مختلف تھیں۔ جمنا کی ٹھوڑی ذرا نکیلی تھی اور آرادھنا کی گول تھی جس کے بیچ میں ایک چھوٹا سا گڑھا پڑتا تھا۔ یہی گڑھا تو آرادھنا کے حسن کی جان تھی اور اسی پر اس کے لاکھوں پرستار مرتے تھے۔ بلکہ اسی گڑھے میں گرتے تھے۔ جمنا کی ٹھوڑی میں یہ گڑھا غائب تھا۔

"اس کا بھی کچھ کیا جائے گا!" سندریس جانی نے اعلان کیا۔

وہاں سے اٹھ کر ہم لوگ واپس اپنے فلیٹ میں آگئے۔ کافی دیر تک داؤ دیٹھ اور سندریس جانی اِدھر اُدھر ٹیلیفون کرتے رہے۔

آخر کار قرعہ انتخاب ڈاکٹر رتن میگھانی کے نام پڑا۔ جوان سیٹھوں کے بہت سے دوستوں کے خیال میں بمبئی کے سب سے بڑے پلاسٹک سرجن تھے۔

ڈاکٹر رتن میگھانی کو بمبئی کے اعلیٰ طبقے کی خواتین میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ ایک تو وہ عورتوں کی غذا کے سلسلے میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ دوسرے انھوں نے پلاسٹک سرجری کے اس شعبے کی خاص تعلیم اور تجربہ حاصل کیا تھا جس کا تعلق زیادہ تر عورتوں کی افزائش حسن سے تھا۔

ڈاکٹر رتن میگھانی نے بڑے غور سے جمنا کے چہرے کا معائنہ کیا۔ کافی دیر تک جمنا کی ٹھوڑی پکڑے ہوئے غور و خوض کرتے رہے۔ آخر انھوں نے فیصلہ دے دیا۔ وہ جمنا کے چہرے کی پلاسٹک سرجری کریں گے اور اس کی ٹھوڑی کو ہو بہو آرادھنا کی ٹھوڑی سے ملا دیں گے۔ آپریشن کی فیس بیس ہزار روپے ہوگی۔ ایک ماہ کے لئے مس جمنا کو میگھانی نرسنگ ہوم میں رہنا پڑیگا۔ اس کا خرچہ الگ ہوگا۔

"خرچہ کی کوئی پرواہ نہیں ڈاکٹر صاحب! —— ہمیں ٹھوڑی چاہیئے" سندر بس جانی بولا۔

"ٹھوڑی ملے گی" ڈاکٹر میگھانی نے جواب دیا۔

"اور اس کا وزن بھی بڑھنا چاہیئے۔ یہ بہت دبلی ہے۔ کم سے کم بیس پونڈ وزن بڑھنا چاہیئے"

"عورتوں کا وزن گھٹانا مشکل ہے، وزن بڑھانے میں کوئی

دقت نہ ہوگی۔" میگھانی نے ہنس کر کہا۔" معلوم ہوتا ہے، یہ خاتون وزن گھٹانے کے لئے بہت فاقے کرتی رہی ہے۔"

جمنا کی تیخ ہنسی نے ہم سب کو چونکا دیا۔ دوسرے ہی لمحہ خود جمنا نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور اس کی زبان پر آیا ہوا فقرہ اس کے دل میں ہی کہیں دب گیا۔

"متوازن غذا ملے گی۔ نرسیں اس کی دیکھ بھال کے لئے رکھی جائیں گی۔ صرف ایک ماہ میں اتنا وزن بڑھانا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے دو ماہ میں اسے بڑھایا جائے گا۔ اب مس جمنا کو دو ماہ کے لئے میرے نرسنگ ہوم میں آپ کو رکھنا پڑے گا۔ اس علاج کے دس ہزار روپے الگ ہوں گے۔"

"کوئی واندہ نہیں۔" داؤ دسیٹھ مسکرا کے بولا۔" ہم دینگا۔"

اگلے چند دنوں میں بہت سی باتیں طے ہوگئیں۔ لمبی کھینچ تان کے بعد جمنا کے کنٹریکٹ کا فیصلہ ہوگیا۔ جمنا کو دس ہزار روپے ماہانہ ملیں گے۔ ایک سال کا کنٹریکٹ ہوگیا۔ دوسرے سال اگر انھوں نے کنٹریکٹ پھر سے کیا تو جمنا کو بیس ہزار ماہانہ ملیں گے۔ اس کا نام آرادھنا ہوگا۔ وہ بھول جائے گی کہ وہ کبھی جمنا بھی تھی۔ اسے اپنے آپ کو ہر جگہ مس آرادھنا کے نام سے جتانا ہوگا۔ وہ اپنی ہستی کو آرادھنا کی ذات میں مدغم کر دے گی۔ دنیا یہی جانے گی کہ مس آرادھنا مری نہیں ہے اور زندہ ہے۔ بنگلور سے سیر و تفریح کے بعد

بمبئی واپس آگئی ہے کسی حالت میں جمنا اپنی اصلیت کو ظاہر نہیں کرے گی۔

مجھے مس جمنا کا اتالیق مقرر کیا گیا۔ میرے ذمّہ یہ کام تھا کہ اسے شستہ و رفتہ لہجہ میں باتیں کرنا سکھاؤں۔ میری تنخواہ پانچ سو روپے ماہانہ مقرر کی گئی۔ ایک اینگلو انڈین عورت بھی اس کی تعلیم کے لئے ملازم رکھی گئی جو اسے انگریزی میں گفتگو کرنے کے ابتدائی مراحل بتائے گی اور مغربی تہذیب کے شائستہ طور طریقوں سے آگاہ کرے گی۔

باسکو کو اس تصویر کے سلسلے میں پروڈکشن کنٹرولر کا نگران مقرر کیا گیا۔ اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ پروڈکشن اسٹاف کی چوریاں پکڑا کرے۔ چور کو چوروں کا نگران بنا کر سیٹھ داؤد نے اپنی ذکاوت کا ثبوت دیا تھا۔ نانتیا کو باسکو کا اسسٹنٹ مقرر کیا گیا۔ عبدل کی تنخواہ ساڑھے تین سو ماہانہ، باقی سب کی پانچسو۔ چھ ماہ کا کنٹریکٹ تھا، کیونکہ سیٹھ کا خیال تھا، کہ یہ تصویر زیادہ سے زیادہ مزید چھ ماہ میں مکمّل ہو جائے گی لیکن وہ ہمارے کنٹریکٹ دوبارہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ایسا انھوں نے ہم کو یقین دلایا۔

پریم ورما کی حالت بگڑتی جارہی تھی۔ جمنا کے شدید اصرار پر اسے کینسر کے علاج کے لئے یورپ روانہ کر دیا گیا۔ اس کے علاج کا سارا خرچہ جمنا خود اپنی تنخواہ سے ادا کرے گی۔ اپنے لئے صرف دو ہزار روپے مہینہ کا خرچ رکھ کر اگلے چھ ماہ کی تنخواہ ایڈوانس لے کر جمنا

نے پریم ورما کو یورپ روانہ کیا۔ سیٹھ داؤد اور سندرس جانی کے اور بھی کئی دھندے چلتے تھے۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی تھا۔ یورپ کی کئی فرموں سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اس لئے ایکس چینج کی کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اگلے پندرہ بیس روز میں سب انتظام ہو گیا۔

اور ڈبڈبائی آنکھوں سے جمنا نے ایرپورٹ پر پریم ورما کو الوداع کہی۔ یہ بھی ممکن تھا، بلکہ اغلب تھا کہ پریم ورما اور جمنا کی یہ آخری ملاقات ہو۔ لیکن جمنا اس کا بہترین علاج کرا رہی تھی۔ اس کے لئے اگر اسے سارے سال کی ساری تنخواہ بھی پھونک دینا پڑے تو وہ اس کے لئے بھی تیار تھی۔

ڈاکٹر میگھانی کے نرسنگ ہوم میں جمنا کے چہرے پر پلاسٹک سرجری کا عمل کامیاب رہا اور وہ فتنۂ عالم تھوڑی بھی معرضِ نہیں آ گئی جس پر سنیما دیکھنے والے شائقین کی جان جاتی تھی — ایک ماہ کے بعد جب زخم بھر گیا تو پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ یہ جمنا ہے یا آدادھنا۔ ایسی حیرت انگیز مشابہت تھی، مگر احتیاطاً دوبارہ سکرین ٹسٹ رات کے وقت جمنا کو نرسنگ ہوم سے لے جا کر لے لیا گیا۔ اب کے کلوز اپ میں بھی کسی کو کوئی اعتراض کی گنجائش نہ تھی۔ ڈاکٹر میگھانی نے پلاسٹک سرجری سے جمنا کے دائیں گال کا تِل بھی غائب کر دیا تھا۔

جن دنوں جمنا ڈاکٹر میگھانی کے نرسنگ ہوم میں تھی، اُسے ہر ہفتہ پریم ورما کا خط ملتا رہا۔ خطوں کا لہجہ مایوس کن ہوتا تھا۔

اچانک چوتھے خط میں پریم ورما کا لہجہ بشاش ہو چلا تھا۔ یہ خط پریم ورما نے زیورچ سے لکھا تھا سوئزرلینڈ کی آب وہوا اور علاج نے اس کی صحت پر خاطر خواہ اثر پیدا کیا تھا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اب اسے زندگی کے چند ماہ اور مل جائیں گے لیکن اگر وہ مزید علاج کے لئے وی اینا جا سکے تو ممکن ہے بہتری کی اور بھی اچھی صورت پیدا ہو۔

جمنا بھر آ گئی۔ ضد کر کے اس نے تین ماہ کی مزید تنخواہ ایڈوانس میں لے لی اور پریم ورما کو تاکید کی کہ وہ ضرور زیورچ سے وی اینا چلا جائے اور اچھے سے اچھے ڈاکٹر سے اپنا علاج کرالے۔ اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے۔

دو ماہ کی بجائے جمنا کو ڈاکٹر میگھانی کے نرسنگ ہوم میں تین ماہ کے لئے رکھا گیا کیونکہ ڈاکٹر میگھانی کی زیر نگرانی جمنا کی صحت بیحد اعتدال سے ترقی پذیر تھی۔ رنگ نکھرتا جا رہا تھا۔ کولھے بھرنے لگے تھے۔ گالوں پر نسوانی چمک آ گئی تھی۔ اس کھوکھلی ہنسی کی جگہ ایک چنچل شریر چاندی کی گھنٹی کی طرح بجتا ہوا شرمیلا قہقہہ ابھر آیا تھا۔ اب وہ شستہ و رفتہ لہجہ میں گفتگو کرنے لگی تھی۔ انگریزی میں تھوڑی گٹ پٹ کرنے لگی تھی۔ اٹک اٹک کر پڑھتی تھی مگر چیک پر بڑی روانی سے دستخط کرتی تھی۔

"شکر ہے مس آرادھنا بھی زیادہ پڑھی لکھی نہ تھی۔ ورنہ کبھی نہ کبھی یہ بھید کھل جاتا!" سندرس جانی نے داؤد سیٹھ سے کہا۔ پھر اسے مس آرادھنا کے باپ گنیشی لال کا خط دکھایا۔

گنپتی لال ماڈرن قسم کا باپ تھا۔ اسے اپنی بیٹی کی کمائی پر زندہ رہنے میں کوئی عار نہ تھا۔ اکثر وہی پروڈیوسروں سے پیسہ وصول کرتا تھا۔ اس کی شوٹنگ کے لئے تاریخیں دیتا تھا۔ وہ مس آرادھنا کا باپ بھی تھا اور سکریٹری بھی۔ محافظ بھی تھا اور نگراں بھی، اور اب وہ جمنا کا بھی باپ تھا۔

جن دنوں مس آرادھنا کورگ میں شوٹنگ کرنے کے لئے جانے لگی۔ گنپتی لال نے یورپ کے سفر کی ٹھانی۔ اس نے اپنے اور اپنی بیٹی کی انگریزی خط وکتابت کے لئے ایک اینگلو انڈین حسینہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس حسینہ کے اصرار پر گنپتی لال نے یورپ کے سفر کی تیاری کی۔ اِدھر مس آرادھنا کورگ گئی اُدھر گنپتی لال اپنی محبوبہ کو لے کر یورپ روانہ ہو گیا۔

پہلے مس آرادھنا کو اپنے باپ کے خط یورپ کے مختلف شہروں سے ملتے رہے۔ ان کا اس نے کیا جواب دیا یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ادھر دو ماہ سے گنپتی لال کا کوئی خط نہیں آیا تھا پھر اچانک لندن سے اس کے دو خط آئے۔ دونوں خط داؤد سیٹھ اور سندر رجانی نے پڑھ کر اپنے قبضے میں کر لیئے اور جمنا کو آگاہ نہیں کیا۔ پھر تیسرا خط جو پیرس سے آیا اسے پڑھ کر دونوں سیٹھ چونک گئے۔ یہ خط بھی مس آرادھنا کے نام تھا۔ اس خط میں باپ نے بیٹی سے گلہ کیا تھا کہ اس نے گذشتہ دو خطوں میں اصرار کر کے روپیہ منگایا تھا جو اس کی بیٹی نے نہیں بھیجا تھا۔ اب اگر وہ پیرس میں مندرجہ ذیل پتہ پر اسے مزید رقم یورپ کے سفر کے اخراجات کیلئے

روانہ نہیں کرے گی تو لامحالہ باپ کو یورپ سے واپس آنا پڑے گا۔
مگر خط کے لب ولہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گمنیشی لال یورپ سے
ہندوستان آنے کو تیار نہیں ہے۔ ابھی اس کا جی یورپ کے گل چھروں
سے نہیں بھرا۔ ابھی وہ کچھ دیر اور یورپ کی سیر کرنا چاہتا ہے۔

"اچھا ہے، ابھی وہ کچھ دیر اور یورپ میں سیر کرلے"۔ سندر بولا۔

"مگر اسے روپے بھی تو اور بھیجنے پڑیں گے"۔ داؤد سیٹھ کسی قدر
تشویش سے بولا۔

"وہ تو بھیجنے پڑیں گے"۔ سندر بولا۔

"اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اسے واپس بلا لیا جائے"۔

"اور اگر اس نے کہیں جمنا کو پہچان لیا؟"

"ناممکن ہے"۔

"ناممکن ممکن بھی ہو سکتا ہے میرے بھائی!" سندر نے کہا۔ "ابھی
اسے چند ماہ یورپ میں رہنے دو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں جب تک جمنا
ہماری پکچر میں کام کرتی ہے اُسے یورپ ہی میں رہنے دیا جائے اور ہم
لوگ جلدی جلدی سے شوٹنگ کرکے اس کے آنے سے پہلے پکچر کو ختم
کر ڈالیں ۔۔۔ کیوں؟"

"بات تو کھری کہتے ہو"

"تو بھجوا دو اُسے تیس ہزار روپے"

"بھجوانا ہی پڑیں گے۔ دوسرا کوئی رستہ نہیں"۔ داؤد سیٹھ نے
ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "پریم درما کو بھیجو الگ گمنیشی لال کو بھیجو الگ۔
سودا مہنگا ہے ۔۔۔ جانی!"

"مگر ایسا جھٹکا بھی نہیں ہے پارٹنر! — سوچو کہ مس آرادھنا آج زندہ ہوتی، تو اس کو کتنا دینا پڑتا۔"

اس لین دین کا خیال کر کے داؤد سیٹھ کے بدن میں ایک جھرجھری آئی — یکایک اس کا تصور کر کے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ جمنا بہت سستی رہے گی۔ اگلی پکچر کے لئے بھی سستی رہے گی — سودا برا نہیں ہے۔

"تیس ہزار کی بجائے میں اسے پچاس ہزار بھجوائے دیتا ہوں — جمنا سے خط پر دستخط کرا لوں گا۔ باقی سب خط انگریزی میں ٹائپ ہوگا۔ خط میں اس کو لکھ دوں گا آرادھنا کی طرف سے کہ وہ یورپ میں مزید دو ماہ کی بجائے تین ماہ رہ سکتا ہے۔" داؤد سیٹھ نے فیصلہ دے دیا۔

"رقم مس آرادھنا کے حساب سے جائے گی؟" جانی نے پوچھا۔

"مگر جائے گی تو اپنے اکاؤنٹ سے۔ جمنا کے پاس پیسہ ہے کہاں؟ ایک جوا کھیل رہے ہیں۔ وہ تو کافی رقم ایڈوانس لے کر پریم ورما کو روانہ کر چکی ہے۔ سالی یہ عورتیں ایکدم بے وقوف ہوتی ہیں۔ اپنا کچھ نہیں سوچتیں۔ اس کینسر کے بیمار کو روپیہ بھیجتی جا رہی ہے۔ وہ سالا تو مرنے والا ہے!"

"اگر دنیا میں بے وقوف نہ ہوں، سیدھے سادے بھولے بھالے نیک ایماندار شریف آدمی نہ ہوں تو ہمارا تمہارا دھندہ کیسے چلے سیٹھ!" سندر لیس جانی ہنس کر کہنے لگا "مگر روپیہ بھیجنے سے پہلے ایک بات کا خیال ضرور رکھنا!"

"کیا —؟"

"مس جمنا یعنی مس آرادھنا سے ان روپوں کی رسید پر دستخط

ضرور کرالینا، آخر اس کے باپ کو روپے چاہیے ہیں!" سندر بس جانی نے آنکھ مار کر داؤد سیٹھ سے یہ بات کہی۔

پہلے لمحہ میں تو نہیں، ہاں دوسرے لمحہ میں جب سندر بس جانی کی چال داؤد سیٹھ کی سمجھ میں آئی تو اس نے بڑے زور سے اپنے پارٹنر سے ہاتھ ملایا اور چلا کر کہنے لگا۔

"وہ کاٹا ـــ صاف کاٹ دیا ـــ کیا ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے جانی ـــ!"

"ہم بھی کسی گرہ کٹ سے کم نہیں ہیں پیارے!" سندر بس جانی خوش ہو کر بولا۔

دونوں دیر تک قہقہے لگاتے رہے۔

تین مہینے کتنی جلدی گذر گئے۔

ان تین مہینوں میں جمنا گویا اندر اور باہر سے بار بار دھوئی گئی۔ اس کے پورے سسٹم کو ڈاکٹر میگھانی نے فلش کر دیا۔ اس کے اندر اور باہر کی ہر غلاظت کو دھو کر اسے مصفا و پاکیزہ بنا دیا۔۔۔ وہ شباب جو گذشتہ چھ برس سے اس پر نہ آیا تھا یک لخت اس پر ایک گھٹا کی طرح پھٹ پڑا۔ وہ جوانی جو اب تک اس کے دل کے کسی گوشے میں ایک امیدِ رائیگاں، اک حسرتِ ناتواں کی طرح کہیں سوگوار بیٹھی تھی، اب اچانک اٹھ کر بلند ہو گئی۔ اور ایک نشہ کی لہر کی طرح اس کے انگ انگ میں ناچنے لگی۔ جیسے وہ اپنے آپ میں مکمل ہو گئی۔ مرد بڑھاپے تک مکمل ہوتا ہے اور آخر وقت تک زندگی سے کچھ نہ کچھ لیتا رہتا ہے۔ مگر عورت جوانی ہی میں مکمل ہو جاتی ہے۔ اور پھر باقی زندگی اپنے آپ کو بانٹنے میں بسر کرتی ہے۔ کچھ ماں باپ کو، کچھ شوہر کو، کچھ بچوں کو، کچھ بچوں کے بچوں کو۔ اس طرح بانٹتے بانٹتے اپنے آپ کو ختم کر دیتی ہے۔

میں جمنا کے بدلتے ہوئے سراپے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ وہ خود بھی حیرت سے اپنے آپ کو دیکھتی تھی اور کبھی کبھی یوں اپنے جسم میں چٹکی

سکتی کہ آیا جو کچھ وہ دیکھ رہی ہے وہ خواب ہے کہ حقیقت۔ اور جب اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وہ تکیوں میں سر چھپا کر خوشی سے رونے لگتی۔ اور اب وہ فٹ پاتھ ہم سے کتنی دور رہ گیا تھا ہزاروں میل دور پیچھے، ایک دھبہ کی طرح۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس فٹ پاتھ پر ہم نے نہیں، کسی دوسرے نے، وہ تلخ ایام، وہ نفرت زدہ شب و روز گذارے تھے۔

تین ماہ بعد ڈاکٹر میگھانی نے جمنا کو اپنے نرسنگ ہوم سے جانے کی اجازت دے دی۔ اسے لینے کے لئے داؤد سیٹھ خود آئے تھے۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لائے تھے۔ پرانے ماڈل کی کالی سیڈان تھی جس کے پچھلے کانچ نیم سیاہ تھے۔ باہر سے دیکھنے والے اندر بیٹھنے والوں کو دیکھ تو سکتے تھے، مگر پہچان نہیں سکتے تھے۔ گاڑی جمنا کو لے کر چلی مگر جیسے جیسے کچھ عرصہ کے بعد مجھے ایسا لگا جیسے گاڑی ہمارے فلیٹ کی طرف جانے کی بجائے بمبئی سے باہر نکل رہی ہے۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایر پورٹ!" داؤد سیٹھ بولا۔

ممکن ہے سیٹھ کو ایر پورٹ پر کوئی کام ہو۔ اس لئے میں چپ رہا۔ مگر ایر پورٹ پر پہنچ کر داؤد سیٹھ نے میرے ہاتھوں میں ہوائی جہاز کے دو ٹکٹ تھما دیئے، تو میں حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

جمنا کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ وہ الگ ایک کونے میں لگے قد آدم دیوار گیر آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھتی ہوئی اپنی نئی جوانی کو دریافت کرنے میں مشغول تھی۔

"تم دونوں آج بنگلور جاؤ گے۔"

"ہوائی جہاز سے؟" یکایک جمنا نے آئینہ سے پلٹ کر اور بے حد خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں — ابھی چالیس منٹ کے بعد ہوائی جہاز جائے گا۔"

"مگر میرے کپڑے اور سامان؟" جمنا نے اٹھلا کر کہا

"تم دونوں کے کپڑے اور سامان میں گاڑی میں رکھ کر ساتھ لایا ہوں۔ دونوں سوٹ کیس ہیں۔ بس ایک دن تم لوگوں کو بنگلور میں رہنا ہوگا۔ دوسرے دن واپس آجاؤ گے۔"

"وہاں بنگلور میں ہم کہاں ٹھہریں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہوٹل میں!"

"مگر ہم بنگلور کیوں جا رہے ہیں؟" جمنا نے نہایت شریلی آواز میں پوچھا۔ اس کی بھنویں سوالیہ انداز میں لیکن نہایت پیارے انداز میں تن گئیں۔

ایک لمحہ کے لئے داؤد سیٹھ بھی اس کے شستہ اور رواں لہجہ سے مرعوب ہو گیا۔ شائستہ گفتگو کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"آپ کو ادھر ایرپورٹ میں جانی سیٹھ ملیں گے، وہ آپ کو سب بتا دیں گے۔"

پھر داؤد سیٹھ نے اپنی جیب سے سو سو کے پانچ نوٹ نکالکر جمنا کے پرس میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"یہ لو پانچ سو روپے جیب خرچ کے لئے۔"

جمنا کے ہونٹ لپ اسٹک کی لکیر سے تیکھے اور کٹیلے ذرا سے کھلے موتیوں کی لڑی ذرا سی نظر آئی۔

"شکریہ!" جمنا نے اپنی لمبی لمبی پلکیں جھپکا کے کہا۔

پون گھنٹہ کے بعد ہوائی جہاز بمبئی سے اڑا۔ شہر ہمارے قدموں کے نیچے تھے جمنا کے لئے اور میرے لئے بھی یہ ہوائی جہاز پر ہمارا پہلا سفر تھا۔ جمنا کھڑکی میں بیٹھی تھی اور بیحد مسرور اور خوش نظر آتی تھی۔ اس نے کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے یکایک میرا ہاتھ پکڑ کر اسے زور زور سے ہلاتے ہوئے کہا۔

"بھیّا —— وہ دیکھو —— وہ دیکھو —— وہ رہا ہمارا فٹ پاتھ!"

"شش" کہہ کر میں نے اسے گھورا اور اسے فوراً چپ کرا دیا۔ جمنا نے اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے دانتوں میں انگلی دبالی۔ میں نے گھبرا کر ادھر ادھر آگے پیچھے نظر ڈالی۔ ہمارے پیچھے ایک گنجا یورپین پادری بیٹھا تھا اور وہ ماضی تھا۔ ہمارے آگے ایک ہندوستانی عورت اپنے بچے کے منہ میں چوسنی دے رہی تھی اور وہ مستقبل تھی۔ مگر ماضی اور مستقبل اس وقت دونوں ہم سے بے نیاز اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ دونوں کے چہروں سے لگتا تھا، کہ وہ لوگ ہمیشہ سے گویا اس ہوائی جہاز کے سفر کے عادی ہیں مگر جمنا کے چہرے پر ایسی بھولی بچکانہ مسکراہٹ تھی، گویا کہہ رہی ہو —— دیکھو دیکھو ہم اس فٹ پاتھ سے اڑ کر کہاں آن پہنچے ہیں۔

ایک مست ملنڈا یہ ہوسٹس ہماری طرف دیکھتی ہوئی مسکراتی ہوئی گذری۔

"یہ مسکرا کیوں رہی تھی؟" جمنا نے مجھ سے پوچھا۔

"مسکرانا ان کا فرض ہے"۔

پھر بالکل ہمارے دائیں پہلو کی سیٹوں کی قطار میں بیٹھا ہوا ایک نوجوان جمنا کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"کیا مسکرانا ان کا بھی فرض ہے؟" جمنا نے مجھ سے پوچھا۔

اب وہ نوجوان اپنے پہلو میں بیٹھی ہوئی شلوار قمیض پہنے ہوئے ایک سانولی لڑکی سے سرگوشی کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سرگوشی میں باتیں کرتے کرتے وہ دونوں کنکھیوں سے ہم کو دیکھ لیتے تھے۔

جمنا کا چہرہ فق تھا۔ اس نے گھبرا کر مجھ سے سرگوشی کی "معلوم ہوتا ہے یہ لوگ ماہم کے رہنے والے ہیں — ان لوگوں نے ہم کو پہچان لیا ہے"۔

"تم چپ رہو۔ کسی کو مت پہچانو۔ باہر کھڑکی میں دیکھو"۔ میں نے آہستہ سے اس سے کہا۔

وہ منہ پھیر کر باہر کھڑکی سے دیکھنے لگی۔

اتنے میں وہ لڑکا اور لڑکی اپنی سیٹوں سے اٹھے اور کچھ شرمائے ہوئے انداز میں مسکراتے ہوئے ہماری طرف بڑھے۔

"آپ مس آرادھنا ہیں ناں؟" لڑکے نے رک رک کر پوچھا۔

"میں نے آپ کی سب تصویریں دیکھی ہیں!" لڑکی جلدی سے بول اٹھی۔ "آپ کی Latest تو کہاں میں کہاں" بھی

دیکھی ہے۔"

"غضب کی ایکٹنگ ہے۔ خاص کر وہ ڈوبین جس میں آپ

فٹ پاتھ گرل کے روپ میں نظر آتی ہیں۔"

"ایسا لگتا ہے جیسے آپ ساری زندگی فٹ پاتھ پر رہی

ہیں۔" لڑکی نے ایک نقرئی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

جمنا نے کہا "شکریہ!"

"ہم اس ہوائی سفر کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ یہ ہماری خوش

قسمتی تھی کہ ہم نے مس آرادھنا کو اتنے قریب سے دیکھ لیا۔"

لڑکے نے اپنی جیب سے ایک آٹو گراف بک نکالی۔

"اس پر دستخط کر دیجیے۔"

اس نے بڑی لجاجت سے درخواست کی۔

پھر لڑکے نے اپنی آٹو گراف بک ڈرتے ڈرتے مس آرادھنا

کی طرف بڑھادی۔ کانپتی ہوئی انگلیوں سے جمنا نے اس آٹو گراف

بک کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ کھول کر ایک خالی صفحہ پر دستخط کیے۔ اتنے

میں لڑکی نے بھی اپنی آٹو گراف بک اس کے سامنے پلکہ ہاتھوں

میں تھمادی تھی۔

جمنا نے اس پر بھی دستخط کر دیے۔

لڑکا اور لڑکی دونوں جمنا کا شکریہ ادا کر کے واپس اپنی اپنی

سیٹ پر جا بیٹھے۔

ہولے ہولے اِدھر اُدھر آگے پیچھے مسافروں میں چہ می گوئیاں

شروع ہو گئیں ۔۔۔ "مس آرادھنا" ۔۔۔ آرادھنا ... فلم ایکٹریس

... جب دل نے یاد کیا ... دیکھی تھی نا تم نے؟ ... اور وہ، تیری محبت میری ہار ... یاد ہے؟ ... وہی ہے؟ ـــــ ہم جدھر نگاہ ڈالتے تھے لوگوں کو اپنی نگاہوں کا مرکز پاتے تھے ... کئی منچلے اور بھی اپنی سیٹوں سے اٹھ کر آئے اور آٹو گراف لینے لگے۔ ایک صاحب کے پاس آٹو گراف بک نہیں تھی۔ انھوں نے اپنی جیب سے سَو کا نوٹ نکال کر کہا۔

"اس کو رکھ لیجیے، اور اپنے کسی سَو کے نوٹ پر دستخط کر دیجیے۔"

"اور اگر میرے پاس سَو کا نوٹ نہ ہو تو؟" جمنا نے شوخ لہجہ میں اس خوبرو مرد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو یہ سَو کا نوٹ رکھ لیجیے اور کسی کاغذ کے پرزے پر دستخط کر دیجیے۔ میں سمجھوں گا مجھے ہزار روپیہ مل گیا۔"

جمنا نے ہنس کر پرس سے سَو کا ایک نوٹ نکالا۔ اس کا دیا ہوا نوٹ پرس میں رکھ لیا۔ اپنے سَو کے نوٹ پر آٹو گراف کر کے اسے دے دیا۔

اتنے میں ایئر ہوسٹس، پائلٹ کی کیبن سے مسکراتی ہوئی نکلی، چلتے چلتے ہمارے قریب آ کے رُک گئی اور جمنا کو مخاطب کر کے بولی۔

"ہیلو!"

"ہیلو ـــــ!!"

"آپ نے مجھے غالباً نہیں پہچانا ـــــ میں گنی ہوں ـــــ جب آپ کورگ جا رہی تھیں شوٹنگ پر، تو آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"او ـــــ ہیلو گنی۔" جمنا نے اسے پہچانتے ہوئے کہا۔

ایر ہوسٹس کی مسکراہٹ بیحد جگمگانے لگی
"آپ کے لئے چائے لاؤں یا کافی ؟"
"نو تھینکس !"
"اگر آپ کو کسی طرح کی کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے کہیے"۔
تنّی نے بڑی انسانیت سے جمنا سے کہا اور اپنی لچکدار کمر کو جھلاتی ہوئی چلی گئی۔
جمنا نے بھی آہستہ سے مُنہ پھیر لیا۔
اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلکنے لگے۔اس کا سارا جسم فرطِ جذبات سے کانپ رہا تھا۔

رات کو بنگلور کے ڈی لکس ہوٹل کے لاؤنج میں کافی پیتے ہوئے جمنا نے کہا۔
"یہ سب خواب ہے کیا ؟ — خواب ہے کیا ؟ — یہ روشنیاں یہ عطر میں ڈوبے ہوئے کپڑے، یہ لوگوں کی اپنائیت بھری نظریں جیسے ساری دنیا میری ہو، یہ محبت کیا اسی دنیا میں موجود تھی ؟"
میں چپ رہا۔
جمنا کافی کے پیالہ سے اپنی چھنگلیا میں پڑی ہوئی ہیرے کی انگوٹھی کو بجاتے بجاتے بولی۔
"سوچتی ہوں، کیا میں وہی جمنا ہوں فٹ پاتھ پر سونیوالی؟ سوطویں سڑک پر دھندا کرنے والی میری طرح اور بھی لڑکیاں تھیں،

مجھ سے زیادہ خوبصورت، زیادہ سندر... وہ رضیہ اور جانکی اور تالی بائی ۔۔۔ مجھے تھوڑی سی غذا ملی، تھوڑی سی روشنی، تھوڑی سی امید، آرام اور فراغت ۔۔۔ اور چند مہینوں میں ہی کیا سے کیا ہو گئی ۔۔۔ اور اُن کو کچھ نہیں ملے گا۔ ان کے جسم چیونٹیوں کی طرح مسلے جائیں گے۔ کیسے وہ جیتی ہیں، کیسے وہ مرتی ہیں، دنیا کو ان کی خبر تک نہ ہوگی۔"

"اور مندروں میں آرتی ہوتی رہے گی، مسجدوں میں اذان ہوتی رہے گی، گرجاؤں میں گھنٹے بجتے رہیں گے، اور خدا اپنے تخت پر بیٹھا رہے گا آئس کریم کھاتا ہوا۔" میں نے ایک تلخ ہنسی کے ساتھ کہا۔

"یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔" جمنا میری طرف دیکھ غصہ سے بولی۔ اتنے میں سندر بس جانی آ گیا۔

"چلو۔ چل کے اپنے اپنے کمرے میں سو جاؤ۔ صبح واپس بمبئی جانا ہے۔"

بمبئی ایئرپورٹ ـــــ

جہاز سے اترنا ـــــ

تینوں کا ساتھ ساتھ چلنا ـــــ

جمنا، میں اور سندر بس جانی ـــــ

"اپنی بہترین مسکراہٹ تیار رکھو۔" جانی نے جمنا کو اشارہ کیا۔

جمنا نے کامدانی کے کام کی بہترین گلابی ساڑھی پہن رکھی

تھی۔ بالوں میں شوخی کے پھول تھے، ہاتھ میں ایک قیمتی پرس،
پاؤں میں زری کے کام کی اونچی ایڑیوں کے سنڈل.... اس کے
انگ انگ سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں —— اُجلا اور ہلکا
میک اپ تھا۔

چلتے چلتے جب ہم ایرپورٹ کے ویٹنگ روم میں پہنچے، تو
وہاں لوگوں کا ایک اژدہام ہمیں لینے کے لئے پہلے سے موجود تھا۔
پرکالہ پروڈکشن کا ہر فرد موجود تھا، اور کئی فلمی ستارے اور
پریس فوٹو گرافر....

جب ہم ویٹنگ روم میں داخل ہوئے تو سندرس جانی نے مجھے
ہاتھ سے پکڑ کر پیچھے روک لیا۔ جمنا اکیلے آگے بڑھ گئی۔ فوراً کیمرے
چلنے لگے۔ فلش بلب چمکنے لگے۔ سب سے پہلے داؤ دسیٹھ نے آگے
بڑھ کر جمنا کے گلے میں ہار ڈالا۔ جمنا گھبرا سی گئی مگر فوراً ہی اس نے
اپنے آپ کو سنبھال لیا —— پھر ایک ہار کے بعد دوسرا ہار —— ہاروں
سے اس کا گلا لد گیا۔ لوگ اس سے اس طرح مل رہے تھے جیسے برسوں
سے جانتے ہوں۔ نگاہوں میں کتنی تعریف تھی اور کتنی عزت!

ہوتے ہوتے آس پاس کے لوگوں تک خبر پہنچی کہ مس آرادھنا
بنگلور سے واپس آ گئی ہیں اور یہ ان کا استقبال ہو رہا ہے۔ لوگ جو
اپنے دوستوں یا رشتہ داروں کو لینے یا رخصت کرنے آئے تھے،
سب مس آرادھنا کو دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ آٹو گراف لینے والوں
نے ہلّہ بول دیا۔ مگر پولیس کا انتظام کافی تھا۔ جمنا فلمی ستاروں
پروڈیوسروں، فوٹو گرافروں اور اپنے سینکڑوں پرستاروں کے

عملہ میں چلی، چلتی گئی — جلدی جلدی ہجوم سے نکال کے اسے ایک گاڑی میں بٹھادیا گیا اور اسی لمحہ بمبئی کی طرف روانہ کر دیا گیا —

جب آرادھنا کی گاڑی چلی گئی، تو پیچھے داؤد سیٹھ اور سندر جانی نے اس کے پیچھے دوسری گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ پھر میری طرف دیکھے بغیر داؤد سیٹھ اور سندر جانی بڑی بے تکلفی سے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور ایک دوسرے کا منہ چومنے لگے اور زور زور سے ہاتھ ملانے لگے۔

"کیوں میں نہ کہتا تھا؟" داؤد سیٹھ نے سندر سے پوچھا۔

سندر بولا "ہاں — اپنا تجربہ کامیاب رہا — کسی ایک کو شبہہ تک نہ ہوا۔"

"اب اپنی پکچر بنے گی اور ٹھاٹ سے بنے گی۔"

جب ہماری گاڑی ایئرپورٹ کی حدود سے نکل گئی، تو ڈرائیور نے مڑ کر پوچھا۔

"کہاں چلوں؟"

"ملبار ہل — مس آرادھنا کے اپنے فلیٹ کو جانا ہے۔"

ڈرائیور نے گاڑی تیز کر دی اور بہت جلدی گھوڑ بندر روڈ پر جمنا کی گاڑی کو جالیا۔ دونوں گاڑیاں ایک ساتھ ملبار ہل پہنچیں، تقریباً ایک ساتھ چودہ منزلہ بلڈنگ کے سامنے رکیں بلڈنگ پر نیون روشنی کے حروف میں لکھا تھا THE SEA SHELL سی شل کی چودھویں منزل پر مس آرادھنا کا فلیٹ تھا۔

ہم لوگ لفٹ سے پہنچے۔ فلیٹ کے بند دروازہ پر جاکر رک گئے۔ جمنا نے سوالیہ نظروں کے ساتھ سیٹھوں کی طرف دیکھا۔

داؤد نے جمنا سے کہا

"گھنٹی بجاؤ"

ہم سب لوگ سندر سین جانی کے اشارہ پر جمنا کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

جمنا نے گھنٹی بجائی۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد دروازہ آہستہ سے کھلا۔ ایک ادھیڑ عمر کی ملازمہ چہرے پر شبہے کی شکنیں لئے نمودار ہوئی۔ یکایک اس کی نظر جمنا پر پڑی۔ نظر پڑتے ہی باچھیں کھل گئیں اور چلا کر بولی۔

"مالکن! ــ آپ کب آئیں؟"

وہ ادھیڑ عمر کی عورت جمنا سے لپٹ رہی تھی اور آنکھوں میں آنسو لاکر کہہ رہی تھی۔

"اپنی کاشی بائی کو ایک خط بھی نہیں لکھا ــ چلو۔ چلو۔ اندر چلو مالکن ــ سارا گھر تمہارے بغیر سُوتا ہے"

جمنا کاشی بائی کے ساتھ اندر ہولی۔

داؤد سیٹھ نے رک کر ایک نگاہ سندر جانی پر ڈالی ــ دونوں کی نگاہیں بے حد مسرور اور شادماں تھیں۔ پھر وہ دونوں بھی اندر چلے گئے۔

ان کے پیچھے پیچھے ہم سب لوفر ــ

بہت بڑا فلیٹ تھا۔ سات خوابگاہوں والا۔ گیارہ غسلخانوں والا

اور جھلمل روشنیوں والا۔ سنا ہے اس فلیٹ میں کئی لاکھ کا فرنیچر لگا یا گیا ہے۔ سنا ہے پچھتر ہزار کے تو صرف پردے ہی آئے تھے اس فلیٹ میں ایک سوئمنگ پول بھی تھا، ٹیرس گارڈن بھی تھا۔ ہر کمرہ میں ٹیلیفون تھا۔ کچن تک میں ٹیلیفون لگا تھا ــــ تین باتھ روم تو صرف نوکر پیشہ کے لئے تھے۔ بہت بڑا کارنر فلیٹ تھا جو اوپر کی منزل کے آدھے حصّے میں پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے آدھے حصّے میں بلڈنگ کے مالک سیٹھ جس راج جی خود رہتے تھے۔ ان کا فلیٹ بھی ایسا ہی تھا۔

تھوڑی دیر میں کاشی بائی نے زور زور سے آوازیں دے کر سارے نوکر اکٹھے کر لیئے ــــ جودھا بائی، گیتی اور رسک لال۔ اور خدا بخش بیرا اور ڈی سوزا کک اور ہملو ــــ" اور کملی باہر گئی ہوئی ہے" کاشی بائی نے جمنا کو بتایا" اس کی منگنی طے ہو گئی ہے"

"کہاں طے ہوئی ہے؟" جمنا نے پوچھا۔

" واہ! آپ ہی کے سامنے تو طے ہوئی تھی، اور آپ ہی نے تو طے کرائی تھی ــــ وہی لانڈری والا چھوکرا شنکر۔۔۔"

"اچھا۔۔۔ وہی شنکر؟" جمنا نے ایسے سر ہلایا جیسے یکایک اُسے سب یاد آ گیا ہو۔

کاشی بائی سر ہلا کے ہنسنے لگی۔

داؤد سیٹھ جلدی سے بولے۔

"کاشی بائی! بڑے لوگوں کو کہاں یاد رہتا ہے؟"

"ٹھیک بولتے ہو سیٹھ۔"

پھر کاشی بائی جمنا کی طرف مڑ کر بولی۔

"ینا کماری کا ٹیلیفون آیا تھا، اور سمی گیور کا۔ اور ہاں ایک دفعہ دلیپ کمار کا بھی ٹیلیفون آیا تھا۔ اور۔۔۔"

اتنا کہہ کر وہ رک گئی اور ہم سب کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھنے لگی ۔۔۔ کہوں کہ نہ کہوں؟

"بولو بولو۔" جمنا نے کہا۔

"دو دفعہ پولیس کا ٹیلیفون بھی آیا تھا۔"

"پولیس؟" جمنا کا رنگ اڑ گیا۔

"پولیس؟" داؤد سیٹھ کا دل دھک سے رہ گیا۔

"ہاں، دو دفعہ پولیس کا فون آیا تھا اور ایک دفعہ اپنے علاقہ کے انسپکٹر ساجی صاحب خود آئے تھے۔"

"کیا پوچھ رہے تھے؟" سندر جانی نے آگے بڑھ کر معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

"پوچھ رہے تھے مس آرادھنا کہاں ہے؟" کاشی بائی بولی "میں نے کہا شوٹنگ پہ گئی ہیں۔ بولے کب آئیں گی؟ میں بولی میں کیسے بولوں کب آئیں گی۔ آئیں تو دو دن میں آجائیں نہ آئیں تو دو مہینے نہ آئیں۔ ہماری میم صاحب اپنی مرضی کی مالک ہیں! اس پر وہ بولا کون سی کمپنی کی شوٹنگ پہ گئی ہیں۔ میں نے آپ دونوں سیٹھ کا نام بتا دیا۔"

کاشی بائی کے اتنا کہہ کر داؤد سیٹھ اور سندر جانی سیٹھ دونوں

سیٹھوں کی طرف دیکھ کے گویا سارا معاملہ ان کے سپرد کر دیا۔

"کب کی بات ہے؟" سندر نے پوچھا۔

"تین روز ہو گئے کاجی صاحب کو آئے ہوئے"

جمنا کے فق چہرہ کو دیکھ کر داؤد سیٹھ مسکرا کر بولے

"اچھا دیکھ لیں گے — کوئی بات نہیں!"

"چنتا مت کرو آرادھنا جی" سندر نے بھی مسکرا کر کہا۔

یکایک باہر کی گھنٹی پھر بجی۔

کامنی بائی جلدی سے دیکھنے گئی۔ دیکھ کر اس نے دروازہ کھولا۔

دروازہ میں علاقہ کے پولیس انسپکٹر قاضی قمرالدین صاحب کھڑے ہوئے تھے۔

"آیئے آیئے"

سیٹھ داؤد نے قاضی صاحب کو بڑے بلند، بڑے شگفتہ مگر بے حد بناوٹی لہجہ میں کہا۔

قاضی صاحب کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے۔ کبھی وہ کاغذات کی طرف دیکھتے، کبھی جمنا کی طرف — ان کے چہرے پر عجیب تذبذب کی کیفیت تھی۔

جب قاضی صاحب دروازہ سے ہٹے اور چل کر اندر آئے تو جلدی سے داؤد سیٹھ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور فوراً انھیں بازو سے پکڑ کر الگ ایک کمرہ میں لے گئے۔ اندر جاتے ہی قاضی صاحب نے داؤد سیٹھ سے پوچھا۔

"یہ کیا گورکھ دھندا ہے۔ کورٹ میں آپ نے رپورٹ درج کرائی

کہ مس آرادھنا لاپتہ ہیں، غالباً انھیں چیتا کھا گیا۔ پولیس کو اوٹی کے ڈاک بنگلہ کے قریب جنگل سے جہاں آپ شوٹنگ کر رہے تھے ایک عورت کا پنجر ملا جسے غالباً ایک آدم خور چیتے نے کھا ڈالا تھا۔ پولیس نے یہ بھی رپورٹ دی ہے کہ انہی ایام میں ادھر ایک آدم خور چیتا بھی گھومتا تھا۔"

"بے چاری آرادھنا!" بے اختیار داؤد سیٹھ کے منہ سے نکلا۔

"بے چاری کیوں؟" قاضی صاحب نے حیرت سے کہا "میں اس آرادھنا کو زندہ اور صحیح سلامت ان کے اپنے فلیٹ میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ کیا ماجرا ہے؟"

"وہ؟ ـــ وہ ـــ؟" جلدی سے داؤد سیٹھ نے بات بناتے ہوئے کہا "آپ کو ٹھیک ہی رپورٹ ملی ہے" اور کورگ کی پولیس نے آپ کو ٹھیک ہی رپورٹ دی ہے ـــ ہم نے فی الواقع رپورٹ درج کرائی تھی قاضی صاحب ـــ ہوا یہ قاضی صاحب کہ مس آرادھنا رات کو چاندنی میں اٹھ کر بنگلہ سے باہر ذرا گھومنے کو نکلیں ـــ آپ جانیں یہ عورتیں ذرا رومانٹک تو ہوتی ہی ہیں، سیر کرتے کرتے آگے بڑھ گئیں اور جنگل میں رستہ بھول گئیں۔ دوسرے دن صبح جب ہمیں مس آرادھنا کا کمرہ خالی ملا، اور ڈاک بنگلہ کے باہر خون کے نشان ـــ تو ہمارے لئے رپورٹ درج کرانا ضروری ہو گیا۔"

"وہ تو ٹھیک کیا آپ نے! ـــ مگر پھر مس آرادھنا ـــ یہاں کہاں ـــ؟"

"سنیئے حضور! — ہم تو دو دن مس آرادھنا کو ڈھونڈتے رہے۔ آخر تک وہاں رہے۔ سارے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا تھا۔ واپس چلے آئے۔ یہ بے چاری عورت جنگل میں کہاں سے کہاں نکل گئی۔ کسی گاؤں میں پہنچی۔ وہاں سے کسی طرح بنگلور آئی — بنگلور سے اس نے ہمیں تار دیا — آج ہی ہم اس کو لے کے آ رہے ہیں — ابھی تو سب باتیں پوچھیں بھی نہیں ہیں نے اس سے — مگر بے چاری کی جان بچ گئی — خدا کا شکر ہے — بے چاری آرادھنا نے کیا کیا مصیبتیں دیکھی ہیں قاضی صاحب!"

پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"کورگ کی پولیس نے یہاں کی پولیس سے مزید تحقیقات کے لئے رپورٹ طلب کی ہے۔ خیر، اب تو سب ٹھیک ہو گیا مگر میں مس آرادھنا کا بیان اس بارے میں خود قلم بند کر کے جاؤں گا۔"

داؤد سیٹھ بولے۔

"دیکھئے بے چاری ابھی چند منٹ ہوئے ہوائی جہاز سے اتر کر یہاں آ رہی ہے — کیسی کیسی تکلیفیں جھانکی ہیں بے چاری نے۔" سیٹھ داؤد یار بار نقد بے چاری پہ زور دے کر اپنی پہلی غلطی کو مٹا ڈالنا چاہتے تھے۔ "اس وقت اُنھیں نہ چھیڑیے۔ — میری آپ سے استدعا ہے — آج شام کو — یا کل سویرے۔"

"ٹھیک ہے... ٹھیک ہے..."

قاضی صاحب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں کل صبح آؤں گا۔ اب تو خدا کے فضل سے وہ زندہ اور صحیح سلامت گھر پہنچ چکی ہیں۔ اس امر کا میں ایک تار کورگ بھیجے دیتا ہوں۔ باقی بیان تو سرسری نوعیت کا ہوگا۔ کل پرسوں کسی وقت میں بھی بھیجا جا سکتا ہے"

"جی جی جی — بالکل بجا فرمایا آپ نے" سیٹھ داؤد جلدی جلدی پانچ چھ بار سر ہلا کر انسپکٹر کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ انسپکٹر اٹھ کھڑا ہوا۔

باہر آ کر اس نے بڑے شگفتہ انداز میں جمنا سے ہاتھ ملایا، اور انگریزی میں کہا۔

"Thank God You are safe."

جمنا نے کہا: "تھینک یو!"

"تم تو خوب موٹے ہو رہے ہو!"
جمنا نے ہنس کر کہا۔
گو دل ہی دل میں اسے ہرجیت کمار کی جسارت پر بڑا غصہ آیا تھا۔ مگر وہ چپ رہی۔
"مجھے ٹیلیگرام دے کر بلوا لیا ہوتا۔ میں بھی سب شوٹنگ کینسل کر کے تیرے پاس آجاتا!"
"اب بلوالوں گی!" جمنا نے ٹالتے ہوئے کہا۔
"اب کیا بلواؤ گی!" ہرجیت کمار اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے بولا۔ "پہلے سے اچھی ہو گئی ہو۔۔۔ بہت اچھی!۔۔۔ میں آج رات کو آتا ہوں۔۔۔ چلو اب سیٹ پہ چلیں!" ہرجیت کمار نے جمنا کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔
جمنا کو پھر بڑا غصہ آیا۔
مجھ سے نہ اجازت طلب کی نہ پوچھا۔ خود ہی کہہ دیا میں آتا ہوں۔۔۔ ایسے کہا جیسے رات کو آنا روزمرہ کا معمول ہے۔۔۔ جمنا کو بہت عجیب سا لگا۔۔۔ مگر اس وقت کچھ کہنے کا موقع نہ تھا۔

پہلا شاٹ تیار تھا۔

ایک ڈاک بنگلہ کے باہر ہیرو کی کار ڈی آ کے رکتی ہے — ہیروئن کا پاؤں زخمی ہے —۔ ہیرو کار ڈی کو ڈاک بنگلہ کے سامنے روک کر کار کا پٹ کھولتا ہے۔ گھوم کر دوسری طرف جاتا ہے دوسرا پٹ کھول کر ہیروئن کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر ڈاک بنگلہ کے اندر لے جاتا ہے۔ بس اتنا ہی۔ ۔ ۔ ۔

"سبھاش!" ہرجیت کمار زور سے چلایا۔ "ڈائیلاگ کدھر ہیں!"

سبھاش ڈائیلاگ لے کر بھاگا بھاگا ہرجیت کمار کے پاس آیا۔ یہ سبھاش ایک اور ہیرو درشن کمار کا چھوٹا بھائی تھا اسلئے سے اپنے بڑے بھائی کی وساطت سے بہت سی فلموں میں کام مل جاتا تھا۔

سبھاش نے ہیرو سے کہا۔

"تم بولدے ہو — آؤ ہمارے سہارے چلو — یہ بولدی ہے نہیں میں خود چل سکتی ہوں۔"

"کب؟"

جمنا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس شاٹ میں مجھے چلنا بھی پڑے گا مسٹر سبھاش؟"

سب لوگ ہنسنے لگے

لوگوں نے اسے آرادھنا کی شرارت پر محمول کیا۔ حالانکہ قصہ یہ تھا کہ جمنا نے واقعی حیرت سے پوچھا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا

کہ سبھاش کس طرح کا ڈائیلاگ رائٹر ہے کہ اس کے ڈائیلاگ لکھے ہوئے اور ہوتے ہیں اور بولے ہوئے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ اس لیے یہ ڈائریکٹر اسے بہت پسند کرتے تھے، کہ اس کے ڈائیلاگ کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ وہ انھیں اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کرتے رہتے تھے۔

فلم انڈسٹری میں ایسے رائٹروں کی بہت قدر ہے جن کی کہانی کا کوئی سر پیر نہ ہو۔ جن کا اسکرین پلے ربڑ کی طرح کسی طرف بھی کھینچا جا سکے اور ان کے مکالمے کسی کی سمجھ میں نہ آئیں۔ ایسے خوش قسمت لوگوں کو بہت کام ملتا ہے۔ سبھاش ایک بڑے ہیرو کا بھائی ہونے کے علاوہ یہ خوبی بھی رکھتا تھا کہ وہ اپنی زبان سے بہت سے حرف نہیں بول سکتا تھا۔ وہ "چ" کو "ج" بولتا تھا اور "ر۔ڑ" کی جگہ واؤ کا استعمال کرتا تھا۔ اور بیچ بیچ میں اپنی گفتگو میں بلا ضرورت نون غنہ لگاتا جاتا تھا۔ اس لئے اس نے ہیرو کے ڈائیلاگ "آؤ میرے سہانے جلو" کو "آؤ بے اے سہانے جلو" کہا اور ہیروئن کو بھی جلنے کا حکم دے دیا۔ سب اس کے ڈائیلاگ کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس لئے خوش قسمتی سے لوگوں نے بھی یہی سمجھا کہ جمنا بھی اس کا روز کی طرح مذاق اڑا رہی ہے۔

"آگے کیا ڈائیلاگ ہے؟" ہرجیت کمار نے جمنا کی طرف آنکھ مار کے سبھاش سے پوچھا۔

سبھاش نے جلدی جلدی اپنے رجسٹر کا ورق الٹ کر کہا۔

"تم کبھی میں جاتے ہو — لک سے کہتے ہو — بیا — بیا
— جلدی سے اوتی پکاؤ... نہیں تو مائے مائے کے سوئی کر
بنا دوں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب ہے...."

سبھاش نے پھر ہر ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"بیا — بیا — جلدی جلدی اوتی پکاؤ۔ نہیں تو مائے
مائے کے سوئی بنا دوں گا۔"

ڈائرکٹر نے کہا

"سمجھ گیا — سبھاش کہتا ہے — بیرا، بیرا، جلدی جلدی
روٹی پکاؤ۔ نہیں تو مار مار کے سور بنا دوں گا۔"

"O.Kay"

سبھاش خوشی سے سر ہلا کے بولا۔

"کوابکٹ۔ بالکل کوابکٹ" (Correct)

پھر سب زور سے ہنسے۔

ہرجیت کمار نے سبھاش کو کان سے پکڑ کر کہا

"اسے اپنے بڑے بھائی کو دعائیں دے — بیا بیا لکھنے کے
پچیس ہزار تم کو دلواتا ہے۔"

سبھاش ہنس کر بولا۔

"تم بھی تو گینگی پنگ (گر گبری پیک) کی نقل کر دس
لاکھ لیتے ہو۔"

ہرجیت کمار نے سبھاش کے ایک زور کا دھپ دیا، اور شاٹ شروع کرانے کے لیے کار میں بیٹھ گیا ـــ ہنستا ہوا۔

پہلا شاٹ تو خیر بہت معمولی تھا اور اس میں جمنا کی پیٹھ کیمرہ کی طرف تھی اس لئے بغیر کسی دقت کے یہ شاٹ ہو گیا ـــ دوسرے شاٹ میں کیمرہ جمنا کے چہرے پر تھا ـــ اور شاٹ میں ہیرو اصرار کرتا ہے، کہ وہ خود زخمی ہیروئن کو اپنی باہوں میں اُٹھا کے ڈاک بنگلہ کی طرف لے جائے گا ـــ اس پر ہیروئن مسکرا کر کہتی ہے

"ارے کیا ڈائیلاگ ہیں سبھاش؟"

فلم ڈائریکٹر زور سے چلایا

"آگے آ ر ادھنا کو بتاؤ ـــ"

سبھاش نے قریب آ کے رجسٹر کھولا۔ اپنی بڑی بڑی احمقانہ نگاہیں جمنا پر ڈال کر کہنے لگا۔

"تم بولدی ہو ـــ جیوئے جت کا اینگا سوئے پوئے"۔

"کیا؟" جمنا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"جیوئے جت کا اینگا سوئے پوئے"۔

جمنا نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بولی

"بالکل سمجھ میں نہیں آیا"۔

فلم ڈائریکٹر نے مسکرا کر کہا "یہ کہتا ہے ـــ زبردست کا ٹھینگا سر پر ـــ اور یہی آپ کا ڈائیلاگ ہے"۔

"ہاں ـــ"

سبھاش نے سر ہلا کر کہا۔
"جیوے جیت کا اینگا سوئے پوئے!"

یہ شاٹ بھی ٹھیک ہو گیا ـــــ بہت عمدہ تو نہیں ہوا ـــــ مگر ٹھیک ہو گیا۔ پھر اس کے بعد تین چار شاٹ جمنا نے ایسے عمدہ دیئے، اتنی اچھی اداکاری کے جوہر دکھائے، کہ خود ہر جیت کمار جو فلم انڈسٹری کا بہت بڑا ہیرو تھا اور آر ادھنا کے ساتھ چھ فلموں میں کام کر چکا تھا، حیران رہ گیا اور اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے بولا ـــــ

"ارے، کیا ہو گیا ہے تمھیں؟ ـــــ بنگلور سے تم پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو کے آئی ہو، اور پہلے سے بہتر اداکاری بھی کرنے لگی ہو ـــــ سچ سچ بتاؤ ـــــ کہاں گئی تھیں تم ـــــ بنگلور ـــــ یا ہالی وڈ!؟"

داؤد مکرانی اور سندر بس جانی بھی، دونوں اس موقع پر موجود تھے، بالعموم وہ سیٹ پر نہیں آتے تھے، یہ دیکھنے کے لئے کہ جمنا شوٹنگ کرنے میں کامیاب بھی رہتی ہے کہ نہیں۔ جمنا کا کام دیکھ کر انھوں نے پہلی بار گہرے اطمینان کا سانس لیا۔ اب ان کی پکچر بچ گئی تھی ـــــ ان کا لاکھوں کا سرمایہ بچ گیا تھا، اور وہ خود تباہ و برباد ہونے سے بچ گئے تھے۔

پانچویں شاٹ میں ہیرو اور ہیروئن کو بولنا نہیں تھا۔ اس

شاٹ میں ہیرو ڈاک بنگلہ کے باہر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر ہیروئن کو ایک لمحہ کے لیے اپنی باہوں سے اتار کر ڈاک بنگلہ کا دروازہ کھولتا ہے اور پھر ہیروئن کو اٹھا کر اسے دروازہ کے دوسری طرف لے جاتا ہے۔

یہ شاٹ بھی کامیابی سے ہوا۔ ہیرو جب شاٹ دے کر جمنا کو اپنی باہوں میں اٹھائے ہوئے سیٹ کے دوسری طرف لے گیا، جہاں اندھیرا تھا، تو اسے زور سے اپنے سینے سے بھینچ کر اس کا بوسہ لے کر بولا۔

"کتنی پیاری ہوتی چلی جا رہی ہو —— آج رات کو آ رہا ہوں کہیں جانا مت!"

وہ جمنا کو اپنی باہوں میں اٹھائے اٹھائے دروازہ سے واپس باہر آیا اور میک اپ مین جلدی سے جمنا کا لپ اسٹک ٹھیک کرنے لگا۔ مارے غصے کے جمنا کے گال تمتما رہے تھے اور اس کی پلکیں اس کے رخساروں پر گری پڑی تھیں۔ مگر وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

شام تک جمنا نے اپنی قدرتی اداکاری کا سکہ سب پر جما دیا۔ کیمرہ مین حیران ہو کے بولا۔

"آج مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک نئی آرادھنا کا جنم ہوا ہے۔"

فلم ڈائریکٹر بھی بہت خوش تھا —— جمنا سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔

"اس سے پہلے بھی مجھے آپ کا کام بہت پسند تھا —— مگر

یہ — یہ — یہ چیز ہی دوسری ہے — معلوم ہوتا ہے آپ نے اپنی ایکٹنگ کا سٹائل ایک دم بدل دیا ہے"۔

"بُرا تو نہیں لگتا؟" جمنا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ارے نہیں"۔ فلم ڈائریکٹر نے جمنا کا ہاتھ زور سے دباتے ہوئے کہا۔ "سپرب ایکٹنگ!" پھر آہستہ سے اس کے کان میں بولا۔ "رات کو آتا ہوں!"

جب پیک اپ ہو گیا تو سندرس جانی نے جمنا کو گلے سے لگا لیا۔

"ماروس ایکٹنگ — سیمپلی مارولس.... وہ کیمرہ مین بالکل ٹھیک بولا۔ آج ایک نئی آزاد دھنا کا جنم ہوا ہے — اب تم سے دو ایک اور تصویروں کا کنٹریکٹ کرنا پڑے گا — " رات کو آتا ہوں!"

"آیئے"۔ جمنا مسکرا کر بولی۔ "ہیرو بھی آ رہا ہے — فلم ڈائریکٹر بھی آ رہا ہے — آپ تو آ ہی رہے ہیں — کیمرہ مین کو بھی ساتھ لیتے آیئے"۔

سندرس جانی قہقہہ لگا کے ہنس پڑا۔

"SWINES"

"سوائن کہنے سے کام نہیں چلے گا"۔ جمنا اکدم سنجیدہ ہو کر بولی۔ "بتایئے میں کیا کروں؟"

"وہی کرو جو آزاد دھنا کرتی تھی!"

"مجھے ــــ مجھے کیا معلوم آرادھنا کیا کرتی تھی۔"

"ایک کو دوسرے سے لڑاتی تھی اور اپنا دامن بچاتی تھی ــــ مگر ہر جیت کمار سے بچنا مشکل ہے ــــ اس کا اور آرادھنا کا عشق تو سارے ملک میں مشہور ہے!"

"ہوگا ــــ لیکن اگر اس نے اب مجھے ہاتھ لگایا تو میں اس کی جان لے لوں گی۔" جمنا یکایک بھڑک کر بولی۔

سندر بس جانی نے حیرت سے جمنا کی طرف دیکھا۔

"تمھیں حیرت ہو رہی ہوگی، ایک رنڈی کیسی بات کر رہی ہے ــــ مگر سنو مسٹر جانی! ــــ اس سمے میں نے جو کچھ کیا مجبور ہو کے کیا ــــ اس کم بخت پیٹ کے دوزخ کو بھرنے کے لیے کیا ــــ اب کیوں کروں؟"

"کیا فرق پڑتا ہے"

سندر بولا۔

"اس وقت داؤ چھوٹا تھا، دو ٹائم کی روٹی ــــ اب داؤ بڑا ہے، دو لاکھ یا دس لاکھ ــــ اور بڑے داؤ کی مجبوری بھی بڑی ہوتی ہے ــــ بڑے مجبور کے ساتھ کام کرنے سے بڑی تصویریں ــــ اور ــــ بڑے کنٹریکٹ ملتے ہیں ــــ یہ مت بھولو"

جمنا بولی ــــ

"اب میں عزت والی ہوں ــــ اور عزت سے زندگی گذارنا چاہتی ہوں۔"

"اس عزت کی ٹوپی میں نے تم کو پہنائی ہے — میں اگر چاہوں، تو تمھاری عزت اتار بھی سکتا ہوں — تمھیں ہمارے کہنے پر چلنا ہوگا۔"

سٹوڈیو سے آتے وقت جمنا کی گاڑی میں صرف میں اس کے ساتھ تھا۔ مجھے اب تک اس سے بات چیت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ مگر اس کی غیر معمولی اداکاری دیکھ کر اور یہ سوچ کر کہ آج پہلی بار وہ سیٹ پر کیمرہ کے سامنے آئی ہے اور اس نے اتنا اچھا کام کیا ہے، میرا دل اس کے لئے تعریفی جذبات سے بھرا ہوا تھا۔ اور میں اسے وہ سب بتانا چاہتا تھا جو میں نے اس کی اداکاری دیکھ کر اس کے لئے سوچا تھا — گاڑی میں اسے اکیلے پاکر میں اس کی تعریفوں کے پل باندھنے لگا — واقعی میں اس کی اداکاری سے بے حد متاثر ہوا تھا — مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ — جمنا — فٹ پاتھ پر رہنے والی ایسی بے مثل اداکاری کا مظاہرہ کرے گی۔

"ایسا لگتا ہے جیسے تم نے برسوں ہالی ووڈ کی ٹریننگ حاصل کی ہے!"

"تم اس قدر تلخ اور اداس کیوں ہو؟ — آج تو تمھیں خوش ہونا چاہیئے۔"

"گھر چل کر بتادوں گی۔"

جب گھر پہنچ کر اس نے مجھے بتایا تو مجھے مطلق کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ میں نے آہستہ سے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اور صوفہ میں خوب اچھی طرح سے دھنس گیا۔

اور جب میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، تو میرے چاروں طرف تاریکی چھانے لگی اور تتلیوں کی طرح الفاظ میری بند آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے —— تہذیب، کلچر، شرافت، عزتِ نفس، یہ لفظ کہاں سے آتے ہیں۔ کیا یہ لفظ روپے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں، کہ ان کی الگ بھی کوئی ہستی ہے، کوئی الگ کردار بھی ہے۔ کہیں پر کوئی ایسی ٹکسال ہے جہاں جو جس طرح کھرے اور کھوٹے سکوں اور نقلی اور اصلی نوٹوں کا فرق بتاتی ہے۔ اس طرح سے وہ اصلی اور نقلی تہذیب، کھرے اور کھوٹے کلچر، سچی اور جھوٹی شرافت اور عزت کا بھید بھی بتا سکے؟ —— یہ سب لفظ اور شکلیں، قدریں اور قیمتیں روپے کے ساتھ لگی لگی کیوں ناچتی ہیں۔ جیسے ان لفظوں سے معنی نکل گئے ہوں، اور اب یہ سب بے مغز نوجوانوں کی طرح بے سوچے سمجھے روپے کے آرکسٹرا پر ایک بے معنی ٹویسٹ ناچ رہے ہوں، دنیا کو یہ لفظ واپس کب ملیں گے؟ اور میں جو ایک ادیب ہوں، جسے لفظ بہت پسند ہیں، اپنی بند آنکھوں کے اندھیرے میں ہاتھ پھیلا پھیلا کر ان لفظوں کو پکڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر یہ اڑتے مڑتے ٹیڑھے میڑھے سائے کی طرح بھاگتے ہوئے میرے ہاتھوں کی گرفت سے باہر نکل کر کہیں چلے

جلتے ہیں، اور میری مٹھی میں صرف اندھیرا رہ جاتا ہے، اور
میں پوچھتا ہوں اپنے آپ سے کہاں چلے گئے ہیں یہ لفظ ——
اور اگر یہ لفظ اس مصنوعی، بے ہنگم دنیا کے ہنگاموں سے کترا کر
کسی دور کی وادی کو نکل گئے ہوں —— کسی خوابوں کے جزیرے
میں پڑے ہوئے ہیں تو آؤ —— ہم چل کے انھیں جگا دیں ——
ان کی مدھم منھی نازنین آوازوں سے پیار کریں۔ انھیں اپنے
سینے سے لگا کر منالیں اور واپس اسی دنیا میں لے آئیں۔ کیونکہ
یہ دنیا ان لفظوں کے بغیر بہت سونی ہے —— بہت سونی ہے ——!

باسکو، نتاشا اور عبدل کو میں نے برنیچ کنیڈی کے فلیٹ سے ٹیلیفون کیا، بلکہ ٹیلیفون کرکے بلوالیا، تاکہ اس سنگین معاملہ پر سنجیدگی سے سوچ بچار کرنے کی بجائے گرماگرمی سے حل کیا جائے۔ اکثر اوقات میں نے دیکھا ہے کہ جو معاملہ گہرے سوچ بچار سے حل نہیں ہوتا، وہ ہنگامہ سے ہوتا ہے، یا کسی انتہائی احمقانہ حرکت سے ـــــ مجھے باسکو سے پوری امید تھی کہ وہ کوئی ایسی ہی ہنگامی تدبیر پر عمل کرنا بتائے گا۔

ان کو ٹیلیفون کرکے میں نے ریسیور رکھا ہی تھا کہ اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو!" میں نے پوچھا۔

"ہیلو ـــــ تم کون ہو؟" اُدھر سے کسی نے پوچھا۔

"میں ـــــ مس آرادھنا کا سکریٹری ہوں!"

"تو جلدی سے مس آرادھنا کو ٹیلیفون دو۔" اُدھر سے آواز آئی۔

میں نے پوچھا

"آپ کون ہیں؟"

"تم نئے سکریٹری معلوم ہوتے ہو"۔
اُدھر سے کسی نے کہا
"میری آواز نہیں پہچانتے"۔
میں نے کہا،
"واقعی میں نیا سکریٹری ہوں"۔
"تو پہلے اپنا نام بتاؤ ــــ سکریٹری صاحب!"
اس کے جواب میں میں نے کہا۔
"میرا نام ماسٹر ہے"!
اس نے پوچھا
"کون ماسٹر؟"
میں نے جواب دیا
"پینٹ ماسٹر"!
"کیا پتلونیں سیتے ہو؟"
اُدھر سے کوئی کہہ کر ہنسا۔
"جی نہیں ــ میرا نام ہی ایسا ہے"۔
"اچھا تو پینٹ ماسٹر" وہ بولا۔ "آرا دھنا سے بولو ٹمی کا ٹیلیفون ہے"۔
میں نے ریسیور پہ ہاتھ رکھ کر جمنا سے کہا
"کسی ٹمی کا ٹیلیفون ہے"!
"کون ٹمی؟"
"میں کیا جانوں؟"

"تو پورا نام پوچھو"

"پورا نام بتایئے سرکار — میں نیا سکریٹری ہوں"

"ارے نئے سکریٹری کے بچے — حرام زادے، اُلّو کے پٹھے! — اپنی مالکن سے بولو تیرے یار کا ٹیلیفون آیا ہے — ٹمّی کا!"

میں نے پھر ریسیور پہ ہاتھ رکھا۔

جملا نے مجھ سے پوچھا

"کیا کہتا ہے؟"

میں نے کہا

"گالی دیتا ہے۔"

وہ بولی

"تم بھی اس کو گالی دو۔"

میں نے ٹیلیفون پہ کہا

"سیٹھ! — ٹمّی تو کسی کتّے کا نام معلوم ہوتا ہے — اپنا پورا نام بتاؤ، نہیں تو ٹیلیفون بند کر دوں گا۔ ایسا میری مالکن کا حکم ہے۔"

اس کے بعد وہ مجھے دو منٹ تک ٹیلیفون پہ گالیاں دیتا رہا۔ آخر بولا۔

"بینڈ ماسٹر! اپنی مالکن کو بول دے سیٹھ ٹمکو ڈی لال جوہری کا ٹیلیفون ہے، جس کی تین لاکھ کی جیولری ابھی بھی تیرے پاس پڑی ہوئی ہے جس نے تجھ کو جبیگور کا رجھوکٹ میں دی تھی جس

نے تیری ...... "

اس نے پھر ایک لمبی گالی دی۔

میں نے ٹیلیفون جمنا کے ہاتھ میں دے دیا اور اسے جلدی جلدی بتایا کہ سیٹھ ٹمکودی لال جوہری ہے ——— آرادھنا کا بے تکلف دوست معلوم ہوتا ہے، بڑی لمبی اور دور تک گالی دیتا ہے ——— جس گاڑی میں تم آج بیٹھ کر سٹوڈیو گئی تھیں ——— وہ گاڑی اسی کی دی ہوئی ہے۔

"ہیلو ٹمی ڈارلنگ!"

جمنا نے آواز میں اٹھلاہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلو رڈی!"

"رڈی؟ ——— رڈی کون؟ ——— کس کو تم رڈی کہتے ہو"

جمنا نے خفا ہو کر پوچھا۔

"تم کون بول رہی ہو؟"

ادھر سے ٹمی غصہ سے بولا۔

"آرادھنا کو بھیجو۔ میں ٹمی ہوں ——— اپنی مالکن سے بولو"

"میں مالکن ہی بول رہی ہوں میرے ٹمنوتے"

"یہ ٹمنوتے کیوں؟"

"تم اگر مجھے آرادھنا سے رڈی کہو گے، تو کیا میں ٹمنوتے نہ کہوں؟"

"آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو ——— بنگلور سے آتے آتے کیا دماغ بھی خراب ہو گیا ——— پانچ سال سے تم مجھے ٹمی

کہہ رہی ہو — آج ٹمنونے کیوں؟"

"بس جی چاہا۔"

"میں کہہ رہا ہوں یہ کیا حرکت ہے؟ — اپنے منگیتر سے کوئی اس طرح کا سلوک کرتا ہے — کورنگ شوٹنگ پر گئیں، مجھے ایک خط نہیں لکھا۔ بنگلور اتنا عرصہ رہیں، مجھے ایک خط نہیں لکھا — ٹھیک ہے دنیا کو ہماری منگنی کا علم نہیں ہے مگر کیا تمہیں بھی میرے دل کی حالت معلوم نہیں ہے۔"

جمنا نے ریسیور پہ ہاتھ رکھ کر مجھے بتایا —

"آرادھنا نے ٹمی سے خفیہ منگنی کر رکھی ہے۔"

پھر ریسیور میں بولی۔

"معلوم ہے ڈیر۔"

"معلوم ہے —، تو پھر اب تک کیوں ٹیلیفون نہیں کیا اپنی آمد کی اطلاع تک نہیں دی — ایک ایسا بڑا احمق سکریٹری رکھ لیا، جسے بات کرنے اور گالی سننے کی تمیز تک نہیں۔"

"تو گالی مت دیا کرو۔"

"گالی تو میں اپنے باپ تک کو دیتا ہوں۔"

"خیر، باپ کو دو تو ایک حد تک درست بھی ہے اس نے تمہیں پیدا کیا۔"

جمنا زور سے ہنسی

ٹمی اسے ٹیلیفون پر گالیاں دیتا رہا اور جمنا ہنستی رہی — جب ٹمی کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو بولا —

"میں رات کو کار لے کر آتا ہوں"

"کہاں جائیں گے؟"

"پوائی جائیں گے —— پوائی لیک پر میں نے تمہارے لیے نیا ہاؤس بوٹ بنوایا ہے، تین بیڈ روم کا —— ہاؤس بوٹ دیکھو گی تو یورپ کے پاٹ بھول جاؤ گی"

"اچھا؟"

"ہاں —— چلوگی نا؟ —— رات کو وہیں رہیں گے —— کبھی مچھلی کا شکار کریں گے کبھی تمہارا"

وہ ایک گندی ہنسی ہنسا۔

جمنا نے بے اختیار ٹیلیفون پہ ہاتھ رکھ کر مجھ سے کہا۔

"بہت ہی بے ہودہ آدمی معلوم ہوتا ہے"

پھر وہ ریسیور میں بولی۔

"ڈارلنگ آج نہیں —— آج میں بہت تھکی ہوئی شوٹنگ سے ابھی واپس آرہی ہوں"

"تو کل؟"

"کل بھی نہیں —— دس دن تک تو مورا شوٹنگ ہے —— دس دن کے بعد چلیں گے —— او کے"

"نہیں" وہ غصہ سے بولا "شوٹنگ کیا پہلے نہیں ہوتی تھی اب کیا نئی ہونے لگی ہے تمہارے لیے —— بنگلور سے آتے ہی کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے"

پھر ایک دم لہجہ نرم کرکے بولا۔

"سویٹ ہارٹ، ایسا گلوبند بنوایا ہے میں نے تمہارے لئے کہ ... خالص پکھراج کا ہے ... کل آجاؤں؟"

"اچھا — کل آنا" جمنا نے تھکی ہوئی آواز میں کہا — "مگر ٹیلیفون کرکے آنا"

اس نے ٹیلیفون رکھ دیا۔ کہ اتنے میں پھر ٹیلیفون کی گھنٹی بجی میں نے ٹیلیفون اٹھایا۔

"ہیلو — کون صاحب ہیں؟"

اُدھر سے کسی نے انتہائی روغنی آواز میں پوچھا۔

"آپ مس آرادھنا کے فلاٹ سے بولتے ہیں جی!"

"ہاں جی — پر آپ کون ہیں؟"

"ہم سیٹھ ابن چیتر کے منیم ہیں — بیٹو مل!"

"بولو — بھیرو مل جی!"

ادھر سے اس نے پھر پوچھا۔

"تو آپ مس آرادھنا کے فلاٹ سے بولتے ہیں نا؟"

"جی — جی — فرمایئے!"

"پھر مانا کیا ہے جی — سیٹھ جی نے بولا ہے کہ مس آرادھنا کو بولو، آج رات کے بارہ بجے تیار رہے — تلسی لیک جانے کا ہے!"

میں نے پوچھا

"تلسی لیک کیوں جانے کا ہے؟"

"اُدھر ایک پالٹی ہے!"

میں نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر جمنا سے کہا۔

"کسی سیٹھ امین چند کے منیم پھیرو مل کا ٹیلیفون ہے ——

بولتے ہیں آج رات کو بارہ بجے وہ تھیں تلسی لیک لے کے جائینگے

پارٹی ہے!"

جمنا بولی

"پوچھو یہ سیٹھ امین چند ہیں کون ؟"

"اے تم ماں پھیرو مل جی!"

"ہاں جی!"

"دیکھئے جی —— برا مت ماننا جی —— میں مس آرادھنا کا نیا سکریٹری ہوں جی —— مجھ کو معلوم نہیں ہے —— آپ کے سیٹھ کون ہیں۔ ذرا اتہ پتہ دیو جی!"

"اجی مس آرادھنا کو تم بولو، کہ اس سیٹھ امین چند کے منیم پھیرو مل کا ٹیلیفون ہے جی —— جنھوں نے جی پچھلے سال انکم ٹیکس بھرنے کے واسطے مس آرادھنا کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیا تھا، اور ایک لاکھ روپیہ کا چھ پنچر لگایا تھا —— ڈرائنگ روم میں —— سمجھ گئے جی ——!"

"سمجھ گیا جی!"

"تو پھر بول دونا آرادھنا کو جی!"

"بولتا ہوں جی —— پر پارٹی میں اور کون کون لوگ ہوں گے جی؟"

"سب اپنے لوگ ہیں جی —— سیٹھ عطر چند حلوائی مٹھائی والے

سیٹھ جھبیر ڈی داس ایلومینیم والے، سیٹھ کاکی رام سٹین لیس سٹیل والے، سیٹھ پیارا مل لکھا سلیٹ والے ... اور ان کے ساتھ ان کی وہ بھی ہوں گی۔"

"وہ بھی کون ہوں گی جی؟"

"ہاں جی ___ وہ تو ہوں گی ہی۔"

"یعنی ان کی بیویاں ہوں گی جی؟"

"بی بیاں نہیں جی۔"

منیم جی کی کھرکھراتی ہنسی ٹیلیفون پر سُنائی دی۔

"بی بیاں تو گھر پہ رہیں گی، بے بیاں جائیں گی ___ بی بی نہیں بے بی جاتی ہے باہر ___ سمجھ گئے سکریٹری ساب۔"

"اچھا جی ___ میں بولتا ہوں۔"

میں نے جمنا کو بول دیا۔

وہ بولی

"بول دو سر میں درد ہے۔ کل ٹیلیفون کریں۔"

میں نے ٹیلیفون پر بات ختم کر کے ٹیلیفون رکھا ہی تھا کہ اتنے میں باسکو، تاتنتیا اور عبدل آ گئے۔ پانچ نو فر پھر اکٹھے ہو گئے۔ انھیں ہر جیت کمار والا قصہ بتایا گیا ___ اور رات کو آنے والے مہمانوں سے آگاہ کیا گیا۔

باسکو نے آستین چڑھا کر کہا۔

"جو بھی آئے گا اس کی پٹائی ہو گی۔"

تاتنتیا بولا۔

"دیکھنے میں کمزور لگتا ہوں، مگر جوڈو کا ماہر ہوں۔ اپنے سے تگڑے آدمی کو اٹھا کر پٹخ سکتا ہوں"!

"تو اس دن بس کے ایکسیڈنٹ میں تمہارا جوڈو کدھر گیا تھا؟" باسکو نے ہنس کر پوچھا "لوگوں نے مار مار کر بھرتا بنا دیا ہے ۔۔۔"

تانتیا نے جواب دیا

"اب سو پچاس آدمی مل کر پٹائی کریں گے، تو سالا ایک جیب کترا کیا کرے گا، جان بچا کر بھاگ نکلا یہی بہت ہے"!

"ہاں، ہے تو سہی"۔ عبدل نے سر ہلایا "ایسے ٹیم میں جان بچانا بھی مشکل ہوتا ہے"!

باسکو اور تانتیا، عبدل کے ساتھ مل کر ریہرسل کرنے لگے کہ وہ کیسے ہر جیت کمار کی پٹائی کریں گے، کیسے فلم ڈائریکٹر کی، ان کی ریہرسل اتنی مزیدار تھی، کہ ہنستے ہنستے جمنا کی سانس پھولنے لگی۔

اتنے میں پھر ایک ٹیلیفون آیا۔

جمنا نے آگے بڑھ کے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔ اس وقت وہ انتہائی شرارت کے موڈ میں معلوم ہوتی تھی۔ میں نے کبھی اسے اتنا چنچل نہ دیکھا تھا۔

"ہیلو جی ۔۔۔ کون ہیں آپ؟"

"آپ آرادھنا بول رہی ہیں؟"

ادھر سے کسی نے باریک آواز میں پوچھا۔

"ہاں" جمنا بولی "اور آپ؟"

"میں جمنا ہوں"

"کون جمنا؟" جمنا نے گھبرا کر پوچھا۔

"جمنا پرساد — سیٹھ مرلی دھر کا بیٹا"

آواز باریک اور پتلی تھی، جیسے کسی لڑکی کی ہوتی ہے، یا کسی نو عمر لڑکے کی — خیر۔

جب اُدھر والے نے اپنا نام بتایا تو جمنا کی جان میں جان آئی۔ پھر وہ بولی۔

"او — ہیلو! — جمنا — کہو کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں" جمنا پرساد نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"پتا جی نے مجھے الٹی میٹم دے دیا ہے، یا تو ایک مہینے میں شادی کر لوں نہیں تو وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے"

"تو شادی کر لو جی"

"کیسے کروں؟ — شادی تو مجھے تمھارے سنگ کرنی ہے"

"میرے سنگ؟"

"ہاں — بھول گئیں اپنا وعدہ؟"

جمنا پرساد کے لہجے میں گہرا شکوہ تھا۔

"ابھی چھ مہینے نہیں ہوئے، میں نے تیری انگلی میں سوا لاکھ کی انگوٹھی پہنائی تھی، اور تو نے میرے سنگ شادی کا وعدہ کیا تھا — یاد ہے؟"

"یاد تو ہے — مگر اب تمھارے پتا جی تمھاری شادی کسی دوسرے

کے سنگ کر رہے ہیں تو میں کیسے بول سکتی ہوں۔ میں ہندوستانی عورت ہوں، گھٹ گھٹ کے مر جاؤں گی، اپنی محبت کا گلا گھونٹ ڈالوں گی، راتوں کی تنہائیوں میں تم کو یاد کروں گی، مگر شکایت کا ایک حرف زبان پر نہیں لاؤں گی ـــــ الوداع میرے پیارے!"

جمنا نے بے حد ڈرامائی انداز میں کہا۔ بڑی مشکل سے وہ اپنی ہنسی روک رہی تھی۔

"ایسا مت کہو ڈارلنگ!" وہ بار یک آواز بھی ادھر سے مرے ہوئے لہجہ میں بولنے لگی "میں نے بھی تم کو وچن دیا ہے شادی کروں گا تو تیرے سنگ ـــــ اگر تو ملے تو میں اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر، ایک سوٹ کیس لے کر تیرے گھر آجاتا ہوں ـــــ مجھ کو نہیں چاہیئے اپنے کرو ڑپتی باپ کی دولت ـــــ مجھ کو تو آزاد ھنا چاہیئے۔"

"نہیں ڈارلنگ! ایسا مت کرو ـــــ میرا دل ٹوٹ جائے تو ٹوٹ جائے، مگر اپنے ماں باپ کا دل مت توڑو ـــــ ایسے میں پاپ کا بھار میں اپنے سر نہیں لے سکتی ـــــ میں خود غم کھالوں گی، دن رات سنو تنگ کرتے کرتے اپنے آپ کو ختم کر ڈالوں گی ـــــ تمہاری یاد میں اپنی ہستی مٹا ڈالوں گی ـــــ مگر تم کو کبھی تمہارے ماں باپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرنے دوں گی ـــــ الوداع! ـــــ میرے پیارے جمنا پرساد الوداع! ـــــ مجھے بھول جانا ـــــ!"

"مگر وہ — سوا لاکھ کی انگوٹھی؟"

"اُسے بھی بھول جاؤ ڈارلنگ — ایک دن میں نے نہاتے سمے اُسے انگلی سے اُتار کر باتھ روم میں رکھ دیا تھا، پھر وہ مجھے نہیں ملی — شاید ٹب کی نالی میں گر گئی — ہماری تمھاری محبت کی نشانی بھی کھو گئی — ہو سکے تو ایک ویسی ہی انگوٹھی مجھے اور بھیج دو — میں اسے دیکھ دیکھ کر تمھاری یاد اور اپنا غم تازہ کر لیا کروں گی!"

ایسے اُدھر ہی سے اس نے ٹیلیفون بند کر دیا۔

جمنا ہنستے ہنستے دُہری ہو گئی اور جب اس نے پورا قصہ سنایا تو ہم سب قہقہہ مار کے ہنسنے لگے۔

ٹہلتے ٹہلتے جمنا نے تپائی پر رکھے ہوئے فروٹ بول میں سے انگور کا ایک چھوٹا سا خوشہ اٹھا لیا اور اسے ہاتھ میں آہستہ سے جھلاتے ہوئے اس سے انگور کے دانے توڑ توڑ کر کھاتے ہوئے وہ ایک دیوار گیر آئینہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اور آئینے میں اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔

کبھی انگور کا گچھا جھلاتی، کبھی اس سے دانے توڑ توڑ کر اپنے آپ کو کھاتے ہوئے دیکھتی، کبھی انگور کے گچھے کو اپنے کانوں کے پاس لے جا کر اسے آویزے کی طرح جھلاتی پھر بہت دیر تک اپنے آپ کو آئینے میں غور سے دیکھتے ہوئے

ایک تلخ سی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پہ لاکر آئینہ کے عکس کو مخاطب کرکے بولی۔

"مس آرادھنا! — تم بھی دوسری جمنا ہو! — مگر تمہیں اس کی ضرورت کیا تھی؟"

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور پھر تیزی سے ہمیں چھوڑ کر اپنے بیڈ روم میں گھس گئی اور دروازہ اندر سے بند کر لیا اور پھر ڈنر تک باہر نہیں نکلی —

ڈنر کے وقت کوئی نہیں آیا۔ اس لئے ہم پانچوں لوفروں نے مل کر بڑے مزے سے ڈنر کھایا، پھر کافی پی۔ پھر ڈرائنگ روم میں اٹھ گئے، اتنے میں باہر کی گھنٹی بجی۔

باسکو نے اپنی آستین چڑھاتے ہوئے کہا —

"آگیا شکار!"

مگر باسکو کو بڑی مایوسی ہوئی۔ شکار نہ تھا۔ سیٹھ تھے۔ یعنی شکاری۔ داؤد سیٹھ اور رستم سیٹھ — دونوں اکٹھے آئے تھے۔ دونوں کے چہرے بے حد سنجیدہ تھے۔

"جو آمارا جمنا کو بری آنکھ سے دیکھے گا ہم اس پاسٹرڈ کا بھیجہ پھوڑ دے گا۔ ہم فٹ پاتھ کا رہنے والا ہے کوئی ایرا دیرا نہیں ہے۔"

"ابے — تم فٹ پاتھ والے کا بھی کوئی عزت ہے؟" داؤد سیٹھ نے غصہ سے کہا۔

"ہم دیکھ لیا، سب دیکھ لیا" تانتیا بولا "ہم فٹ پاتھ والا

دل میں تم سے جیادہ محبت رکھتا ہے، اور ہم یہ بھی دیکھ لیا کہ
تمہارے میں اور امارے میں کوئی فرق نہیں ہے، فرق کھالی اتنا ہے
کہ تم بڑا کام کرتا ہے، ام چھوٹا کام کرتا ہے — اور کوئی فرق
نہیں ہے..."

"دیکھو — ہم کوئی گڑبڑ نہیں مانگتا" داؤد سیٹھ نے
سختی سے کہا۔

"ہم کوئی گڑبڑ نہیں کرے گا، پر ہماری جمنا کے سنگ بھی
کوئی گڑبڑ نہیں ہونے دے گا" باسکو نے اسی سختی سے جواب دیا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگا" سندر بس جانی بولا "میں نے
ہر جیت کمار کو فون پر بول دیا ہے، آرادھنا کا طبیعت ٹھیک
نہیں ہے، اس کے دماغ میں چکر آتا ہے — اس کو سائیکولاجیکل
ٹربل میں جلانا مانگتا"

"ہمارا جمنا سائیکل نہیں چلائے گا، موٹر میں بیٹھ کر
جائے گا" باسکو بولا۔

"ارے ہم سائیکولاجیکل ٹربل کی بات کرتا ہے، تم سائیکل
بولتا ہے۔ پہلے بات سمجھو، پھر بات کرو۔ ہم بولتا ہے ایسا بات
کرنے کا ہے، کہ آرادھنا کو سائیکولاجیکل ٹربل ہے۔ ڈاکٹر لوگ
نے اس کو تین مہینہ رات کو Complete ریسٹ کرنے کو
بولا ہے۔ ایسا کھلّا مشہور کرنے کا ہے۔ اس سے ایک تو اس کا لور
(Love) لوگ بھاگیں گا، دوسرا اگر جمنا آرادھنا بن کر
کوئی غلطی بھی کریں گا تو لوگ سائیکولاجیکل ٹربل سمجھ کر معافی

دیں گا!"

"کیا پائنٹ نکالا ہے سیٹھ نے۔" پاسکو نے سندربس جانی کی طرف تعریفی نگاہوں سے دیکھ کر کہا: "کیا کس کے پائنٹ ٹھوکا ہے سیٹھ نے --- جیسے چڑ کا رستہ دیوار پر --- ہل نہیں سکتا!"

"سب عاشق لوگ کا پاکٹ مار دیا ہے!" تانتیا بھی مرعوب ہو کر کہنے لگا۔ پھر سندربس جانی کے گھٹنے چھو کر بولا: "اُستاد! دو چار ایسے پائنٹ ہم کو بھی سکھا دو!"

سب ہنسنے لگے۔

صبح جب میں اس کے بیڈ روم کے اندر گیا، تو جمنا اپنا شب خوابی کا شفاف لباس پہنے ہوئے، بال رخ پر جھٹکائے ہوئے، بیڈ ٹی پیتے ہوئے بہت خاندانی لگ رہی تھی ——
کتنی جلدی اس نے اپنے آپ کو نئے ماحول میں ڈھال لیا تھا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے وہ سالہا سال سے نہیں جنم جنم سے وہ اسی ماحول کی عادی ہو۔

چائے پیتے پیتے جب اس کے لباس سے ریشمی چادر سرک گئی، تو ان میں سے اس کی سڈول صندلی باہیں نکل آئیں تب کتنی سوکھی باہیں تھیں اور اب کیسی گول سڈول ہری بھری باہیں ہیں۔ کلائیوں میں گڑھے پڑتے ہیں، رنگت سنہری نکل آتی ہے، جیسے دھوپ کھل اٹھی ہو۔

"چائے اچھی نہیں ہے"!

جمنا نے منہ بنا کر دو تین گھونٹ پی کر پیالی چھوڑ دی۔ اور ملازمہ کو نئی اور عمدہ والی گرم گرم چائے بنانے کے لیے ڈانٹ پلائی۔

جب ملازمہ سر جھکا کے چلی گئی، تو جمنا نے بدن کھجاتے

ہوئے، ہونٹ لٹکا کر بڑی بیزاری سے کہا۔

"جانے رات کو بستر میں کیا چیز چبھتی رہی ہے۔ سارا بدن چھل گیا ہے"

جمنا مجھے اپنی باہیں اور پیٹھ دکھاتی رہی۔ جہاں نیلے نیلے کئی نشان تھے۔ اتنے میں باسکو بھی آگیا۔ جمنا بستر سے اُٹھ کر ایک آرام کرسی پر دراز ہو گئی۔ میں اور باسکو اس کا بستر دیکھنے لگے

یکایک باسکو کو نچلی چادر کے نیچے سے کوئی گول گول منکا سا ابھرتا محسوس ہوا۔ اس نے ہاتھ ڈال کر نیچے سے نکالا۔ یہ ایک موتی تھا، جو غالباً جمنا کے کان کے جھمکے سے بستر پر گر پڑا تھا اور رات بھر چبھتا رہا تھا۔

باسکو اس شفاف موتی کو اپنی ہتھیلی پر رکھ کر جمنا کو دکھلانے لگا۔

"سالی ——— کبھی فٹ پاتھ کے پتھر پر رات بھر بدن گھسنے سے کچھ نہیں ہوتا تھا، اور اب یہ سالا موتی تیرے بدن کو لگتا ہے؟ ——— بلاڈی بچ!"

باسکو ہنسنے لگا۔

جمنا کچھ نیم آزردہ، نیم متبسم لہجہ میں بڑی ادا سے بولی۔

"نہیں ——— سچ دیکھو، یہ نیلے نیلے نشان دیکھو"

باسکو بولا "اچھا، یہ نخرہ اسٹاپ کرو۔ شوٹنگ کے لئے جلدی ریڈی ہو جاؤ۔"

"ہائے!" جمنا نے ایک انگڑائی لے کر کہا، "ہائے! آج شوٹنگ کا موڈ نہیں ہے۔"

وہ اپنے نئے جسم کے خم دکھاتے ہوئے آہستہ آہستہ انگڑائی توڑنے لگی۔

"سالی اُدھر سولھویں سڑک پر تیرا موڈ کدھر جاتا تھا؟ اِدھر تم کو اچھا اچھا لائف ملا تو نخرہ شروع کیا۔ گٹ اپ!"

باسکو نے جمنا کو بازو سے پکڑ کر آرام کرسی سے اٹھایا۔

"باتھ روم میں جاؤ۔ ایک گھنٹہ میں تیار ہو کے ادھر سے نکلے گا۔ شوٹنگ کے کام میں ایک منٹ کا دیری نہیں منگتا۔"

"ہاں، سبھی ہیروئن دیر سے جاتی ہیں۔" جمنا نے ٹھنکنا شروع کیا "آں —"

"یہ پانچ لوفروں کا فلم کمپنی ہے، اپنے فٹ پاتھ کی عجت کا سوال ہے۔ اِدھر سب کام ٹائم ٹو ٹائم ہوگا۔ ٹھیک ہوگا فسٹ کلاس ہوگا۔ ہمارے کام میں کوئی چوری نہیں ہوگا، کوئی بے ایمانی نہیں ہوگا۔ کوئی کمپلین (Complaint) نہیں آئے گا — سمجھا جمنا بائی! — سالا ہم لوفر ہے، کوئی بڑا ہیرو ہیروئن نہیں ہے کہ کسی کا ٹائم کھوٹی کرے گا۔ گٹ اپ!"

ٹھیک پینتالیس منٹ میں جمنا تیار ہو کے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی چلی — گاڑی عبدل چلا رہا تھا — جب ریمبارڈ لیبارٹری کے پاس پہنچا، تو گاڑی بند پڑ گئی۔ کسی طرح نہ چلی۔ چند منٹ تو ادھر اُدھر دیکھا، لیکن صبح کا ٹائم تھا۔ کوئی ٹیکسی

خالی نہ دکھائی دیتی تھی۔

باسکو بولا۔

" ورلی ناکے تک پیدل چلنا پڑے گا — وہاں سے ٹیکسی ملے گا۔"

باسکو نے گاڑی کا پٹ کھولا۔ جمنا آرزدہ سی ہو کر گاڑی سے باہر نکلی۔ ہمارے ساتھ چلنے لگی۔ آدھا راستہ چل کر ہانپنے لگی۔

" تھک گئی — بیچ — باسکو بہت تھک گئی۔"

" یہ سامنے ورلی ناکہ ہے۔" باسکو نے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا۔ " ادھر ٹیکسی ملے گی۔"

" کیا کریں، ہم سے چلا نہیں جاتا۔" جمنا نے قدم گھسیٹنا شروع کیے۔

" سالی، رات بھر سولہویں سڑک پر کیسے کھڑی رہتی تھی۔؟ اب دو قدم نہیں چل سکتی؟" باسکو نے ہنس کر مجھ سے پوچھا۔

" ہمارے پاؤں میں موچ آجائے گی۔" جمنا کی آنکھیں غم اور غصے سے بھیگنے لگیں۔

باسکو نے کہا — " اچھا، تم ادھر ٹھہرو۔ ہم ناکہ سے ٹیکسی لے کے آتا ہے۔"

باسکو کے ڈانٹنے کا اتنا تو فائدہ ہوا، کہ ہم لوگ روزمرہ کی طرح وقت پر شوٹنگ کے لئے پہنچ گئے۔ فٹ پاتھ کی عمارت کا

سوال باسکو کے لئے بہت اہم تھا - اس لئے ہم پانچوں لوفر اپنے اپنے کام میں بہت چاق و چوبند رہتے تھے اور سیٹھوں کو کسی طرح سے شکایت کا موقع نہیں دیتے تھے - باسکو اور تانتیا تو پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔ بہت جلد انھوں نے کام سیکھ لیا تھا اور اب اتنے ہوشیار ہو گئے تھے، کہ کسی طرح کوئی ملازم ان کے ڈیپارٹمنٹ میں ایک پیسے کی چوری یا گھپلے بازی نہ کر سکتا تھا - جب کسی کی چوری پکڑی جاتی تو باسکو ڈانٹ کر کہتا -

" سالا —— تم ہم کو چوری سکھائے گا —— سالا ہم یہ سب دھندا کئے لا ہے "!

اور اگر کبھی باسکو چوک جاتا ، تو تانتیا غلطی پکڑ لیتا اور کہتا -

" ہم سب ہاتھ کی صفائی جانتا ہے —— یہ گھپلے بازی ادھر نہیں چلے گا - نکالو پیسہ !"

باسکو اور تانتیا کی محنت اور قابلیت ، ہوشیاری اور ایمانداری سے سیٹھوں کی ہزاروں کی رقم پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ سے بچ جاتی تھی ۔ سیٹھ ہم سے بہت خوش تھے اور اپنی کمپنی کو ہم پانچ لوفروں کی کمپنی کہتے تھے - اسٹاف میں روپیہ کھانے والوں نے شروع شروع میں باسکو اور تانتیا کو اپنی طرف ورغلانا چاہا ، مگر وہ باسکو اور تانتیا کو کسی طرح توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے -

" بائی گاڈ !" باسکو نے ان کو سمجھایا " ہم لوفر ہے - کوئی

اینجل (ANGLE) نہیں ہے۔ ہم کو بھوک لگے گا تو ہم تمھارا کچن کا دروازہ توڑ کر بھی روٹی کھالے گا۔ مگر جب ٹائم ٹائم ہم کو اپنا سچا لیبر (LABOUR) سے دو ٹائم روٹی ملتا ہے، تو ہم بے ایمانی نہ کرے گا نہ کرنے دے گا ——— انڈر سٹینڈ !!

آج بھی پروڈکشن سٹاف کے منظورے نے ساڑھے بائیس روپے کا گھپلا کیا تھا، لکڑی کی خرید کے سلسلے میں۔ اسی رقم میں سے منظورے نے سات روپے رتی لال کو دینے کا وعدہ کیا تھا، مگر جب اس نے پروڈکشن سٹاف کے کارندے رتی لال کو یہ سات روپے نہیں دیئے، تو اس نے باسکو سے شکایت کر دی۔ باسکو منظورے کے ایسے ہی دو تین چھوٹے چھوٹے گھپلے پکڑ کر اسے کئی بار معاف کر چکا تھا۔ آج اس نے منظورے کو سبق سکھانے کا تہیہ کر لیا۔ کافی دیر تک باسکو اس سے رقم اگلوانے کی کوشش کرتا رہا، لیکن منظورا ایرا غیرا قسم کی باتیں کرکے ٹالتا رہا۔ آخر باسکو کو جو غصہ آیا، تو اس نے دھر کے ایک گھونسہ دیا۔ منظورے کے رخسار پر ——۔ منظورا جو بے حد دبلا پتلا لاغر انسان تھا، چکر کھا کر سٹوڈیو کے باہر فرش پر گر پڑا۔ خون اس کے ہونٹوں سے بہنے لگا اور اس کی جیب سے کانچ کی ایک شیشی گرتے گرتے اچھلی اور فرش پر گر کر ٹوٹ گئی اور اس میں سے لال سیال بہنے لگا۔

یہ دارو ہے!!"۔ نانتیا ٹوٹی ہوئی شیشی کو اٹھا کر اسے سونگھنے لگا۔

منظورا روتے روتے اٹھا اور اپنے ہونٹوں سے لہو پونچھتے

ہوئے بولا۔

"نہیں ـــ بیوی کی دوا تھی۔"

منظورے کی بیوی چار ماہ سے بیمار تھی۔ آج منظورا اس کے لئے ساڑھے بائیس روپے کی دوا ڈاکٹر سے لایا تھا۔ اگر دوا پر کم پیسے خرچ ہوتے، تو وہ اس میں سے ضرور رتی لال کو سات روپے دے دیتا، مگر ڈاکٹر نے سارے پیسے دھروا لئے۔ اس کے پاس رتی لال کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ بچا۔

"میں بے ایمان نہیں ہوں رتی لال۔" منظورا روتے روتے بولا۔ اور جیب سے گولیوں کی ایک شیشی، چند پڑیاں اور ڈاکٹر کا نسخہ دکھاتے ہوئے بولا۔ "تیرے پیسے بھی دوائیں لگ گئے۔ نہیں تو چکا دیتا۔"

وہ ٹوٹی ہوئی شیشی کی کرچیں چننے لگا۔

باسکو شرمندہ ہو کر سر کھجانے لگا۔

تانتیا نے اداس ہو کر کہا

"کچھ ـــ کیا ـــ کس کو بولے گا ـــ کون بے ایمان ہے؟"

"رتی لال بے ایمان ہے، کہ منظورا بے ایمان ہے، کہ ڈاکٹر کا نسخہ بے ایمان ہے ـــ ایسا لگتا ہے باسکو کہ کہیں پر اوپر کوئی بیٹھا ہے جو بہت بے ایمان ہے۔"

باسکو نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پچاس روپے گن کے نکالے اور منظورے کو دے کر بولا۔

"لے، جا کے بیوی کا علاج کر ـــ پھر جرورت پڑے،

پھر مانگ لینا۔ پر کمپنی کا مال اِدھر اُدھر نہیں کرنا ۔۔۔ نہیں تو مار مار کے خلاص کرے گا۔"

اتنا کہہ کر باسکو کسی عجیب سی مجبوری سے سر ہلاتا ہوا وہاں سے جلدی جلدی چلا گیا ۔۔۔ منظور دیر تک پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

ہم پانچوں لوفر ایکٹر رات کا ڈنر اکٹھے کھایا کرتے تھے۔ لیکن جب شوٹنگ ہوتی تھی تو جمنا اکثر اکیلے ہی اپنے کمرے میں لنچ کھایا کرتی تھی۔ کبھی کبھی مجھے شریک کر لیتی۔ آج اس نے مجھے اپنے ساتھ لنچ پر بلا لیا۔

جب ہیر ڈریسر اور میک اپ مین کا اسسٹنٹ کمرہ سے رخصت ہو گئے، اور بیرا لنچ رکھ کے باہر نکل گیا، تو جمنا نے جس کی آنکھیں کسی گہرے اضطراب سے چمک رہی تھیں، اپنے بلاؤز میں ہاتھ ڈال کر ایک خط نکالا، جو دی اینا سے آیا تھا۔ یہ خط پریم ورما کا تھا۔ اس خط میں پریم ورما نے لکھا تھا کہ دی اینا کے ڈاکٹروں کے علاج سے اس کی صحت اچھی ہو رہی ہے۔ اگر اس کی صحت کی ترقی کی یہی رفتار رہی، تو اگلے ماہ ڈاکٹر اس کا پیٹ کھول کر ایک آپریشن کریں گے اور اگر وہ آپریشن کامیاب رہا تو اسے زندگی کے چند سال اور مل جائیں گے۔

پریم ورما نے آپریشن اور علاج کے لئے مزید روپیہ منگایا تھا،

باقی خط محبت کی باتوں سے بھرا ہوا تھا مگر خط کا لہجہ عجیب دردناک سا تھا کیونکہ اس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ آپریشن بہت خطرناک ہے۔ وہ یہ آپریشن کرائے کہ واپس آ جائے گا۔

"آپریشن تو ہونا ہی چاہیئے۔" میں نے کہا۔

"ہاں!" وہ گہری ہمدردی سے بولی۔ "مگر..."

"مگر کیا ؟" میں نے پوچھا۔

وہ بولی۔

"کچھ نہیں!"

اتنا کہہ کر وہ دھیرے دھیرے رونے لگی۔ آنسو گر کر سالن میں پڑتے گئے۔ میں روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے دیر تک اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔ یہ دل کیا رحمدل تھا جو فٹ پاتھ کی خاک میں لتھڑا ہوا پڑا رہتا تھا۔ جس سے تلخی، زہر، تیزاب اور گندگی کی بو آتی تھی۔ کچلا، مسلا، پاؤں تلے روندا ہوا دل فٹ پاتھ پر کسی سوکھی ٹوٹی ٹہنی کی طرح پڑا تھا۔ اب اس میں کلیاں چٹک رہی تھیں۔ اپنے لئے رونا تو محض مجبوری حیات ہے۔ زندگی تو وہاں سے شروع ہوتی ہے جب کوئی کسی دوسرے کے لئے روتا ہے۔

لنچ کھا کے ہم دونوں کمرہ سے باہر نکلے۔ جمنا کا کمرہ اسٹوڈیو کی تیسری منزل پر تھا۔ ہوتے ہوتے سیڑھیاں اترتے ہوئے ہم نچلے برآمدے میں آئے۔ برآمدے سے باہر نکل کر اسٹوڈیو نمبر ۲ کے سیٹ پر گئے۔ ہمارے پیچھے اسٹیج کا بڑا دروازہ تھا جس میں

روشنی کی ایک لمبی مستطیل دور تک اندر چلی گئی تھی ـــ ہم دونوں سیٹ کے پچھواڑے چل رہے تھے - ایک طرف اسٹوڈیو کی اونچی دیوار تھی، دوسری طرف سیٹ کا اونچا پردہ تھا - بیچ میں روشنی کی وہ لمبی مستطیل تھی ـــ کسی روشن غلام گردش کی طرح ـــ دو رویہ اندھیرے میں سے گذرتی ہوئی ـــ جمنا اور میں دونوں ہولے ہولے ساتھ چلتے ہوئے سیٹ کے دروازہ کی طرف جا رہے تھے کسی نے پیچھے سے زور سے آواز دی -

"جمنا ـــ!"

جمنا یکایک پیچھے پلٹی -

اور میں بھی!

ہمارے پیچھے کوئی بیس تیس گز کے فاصلہ پر شانتا کول کھڑی تھی اور ہم دونوں کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی -

حالانکہ اس سے پہلے بھی ہزار بار جمنا کو اس ممکن صورت حال سے متنبہ کر چکا تھا اور خود بھی ہر وقت متنبہ رہتا تھا، اور ہر دم اپنے آپ کو خبردار کیے رہتا تھا - مگر آج اچانک شانتا کول نے ایسی خوبصورتی سے ایسا نفسیاتی حملہ کیا تھا کہ ہم دونوں ب بے اختیار پلٹ گئے ... اور اب کچھ نہ ہو سکتا تھا کیونکہ وہ ہم دونو کی طرف دیکھتی ہوئی، مسکراتی ہوئی دونوں ہاتھ آگے بڑھائے مصافحہ کے لئے تیار چلی آ رہی تھی -

"مانتے ہو؟"

اس نے قریب آ کر ہم دونوں سے ہاتھ ملا کر مجھ سے کہا -

میں نے دانتوں سے ہونٹ کاٹ کے کہا۔
"مانتا ہوں، مگر تمہیں کیسے ...؟"
میں نے فقرہ نا تمام چھوڑ دیا۔
وہ بولی۔
"بڑی آسان بات ہے۔ میں نے (اس نے جنا کی طرف اشارہ کیا) مس آرادھنا کے ساتھ تمہاری کئی تصویریں دیکھیں جن میں تم اس سیٹ کی شوٹنگ میں اس کے گرد و پیش کھڑے ہو ---- پھر دو تین طرح کے گروپ تھے باسکو اور زنانیا کو بھی دیکھا جنھیں میں اس سے پہلے تمہارے ساتھ ماہم کے فٹ پاتھ پہ مل چکی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تم لوگ (اچانک) اس ماحول سے اس ماحول میں کیسے پہنچ گئے۔ کیسے تم مس آرادھنا کے سکریٹری مقرر کر دیئے گئے۔ پھر اچانک سوچتے سوچتے دماغ میں کوندا سا لپک گیا۔ پہلے تو وہ ہلکی سی مشابہت نظر آئی ---- پھر ایک دم میں سمجھ گئی ----!"
"اس غیر معمولی ذہانت کی داد دینا پڑے گی" میں نے کہا۔
"دراصل غلطی تمہاری ہے" وہ بولی "تم لوگوں کو اپنی تصویریں مس آرادھنا کے ساتھ نہیں کھنچوانا چاہیے تھی۔ سکرین میں، اردو ستی میں، فلم فیئر میں، جہاں دیکھو، آپ کی تصویریں موجود ہیں۔"
"اب تو ہو گئی غلطی" میں نے کہا۔
"تو اب بھگتو!" وہ بولی۔

"کیا — کہا — ؟"
جمنا رکتے رکتے بولی۔
"کیا آپ ہمارا بھانڈا پھوڑ دیں گی؟"
شانتا کول بولی۔
"اس سے زیادہ حماقت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟"
"پھر آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟" جمنا نے گھبرا کر پوچھا۔
"بس آرادھنا — !"
شانتا کول نے بڑی ہمدردی سے جمنا کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہا۔
"آپ میرے ہاتھوں بالکل محفوظ ہیں، اطمینان رکھیے۔ میں صرف چند منٹ آپ کے سیٹھوں سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ کہاں ہیں مسٹر داؤد بکراتی اور مسٹر سندر بس جانی!"
شانتا نے یہ دونوں نام کاغذ کے ایک پرزے سے پڑھ کر بولے تھے۔
"چلیئے" میں نے جلدی جلدی اس سے کہا "میں آپ کو ملائے دیتا ہوں"
جمنا کو پیچھے چھوڑ کر میں شانتا کول کو لے کر آگے بڑھ گیا۔ سیٹ کے دروازے کے اندر گھس گیا۔ ہرجیت کمار ابھی آیا نہ تھا۔ سیٹ پر کیمرہ مین روشنیوں کی ترتیب بدل رہا تھا۔ داؤد سیٹھ اور سندر بس جانی سیٹ کے ایک کونے میں بیٹھے ابھی تک لنچ میں مصروف تھے — قریب میں دو تین کرسیاں خالی پڑی

تھیں۔ میں اور شانتا کول ان کے قریب کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

میں نے تعارف کرایا۔

"یہ ہیں مس شانتا کول۔ بمبئی لائف کی جوائنٹ ایڈیٹر۔"

پھر سب حال بتایا۔

دونوں سیٹھ کھانا چھوڑ کر اس طرح بیٹھ گئے گویا کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"شاید کل رات کو آپ ہی نے ٹیلیفون کیا تھا۔" سندر جانی بولا۔ "آپ ہی نے کہا تھا کہ آپ ہماری نئی ہیروئن کے بارے میں سب جانتی ہیں۔"

"جی ہاں —— اور آپ نے کہا تھا کہ ہماری تو وہی پرانی ہیروئن ہے۔"

پھر دیر تک سناٹا رہا۔

آخر داؤد سیٹھ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر چیک بک نکالی غم اور غصّہ سے اس کے ورق الٹتے ہوئے کانپتی ہوئی آواز میں بولے۔

"کتنے کا چیک کاٹنا پڑے گا؟"

شانتا کول نے ہنس کر کہا۔

"میں بلیک میل کرنے نہیں آئی ہوں۔"

"اوہ!"

داؤد سیٹھ اور سندر جانی دونوں نے اطمینان کا سانس

لیا - دونوں کے چہروں پر خون کی رو واپس آگئی - داؤد سیٹھ نے چیک بک بند کرتے ہوئے کہا -

"پھر ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں مس شانتا کول!"

"خدمت کرنے کا موقع تو مجھے ملنا چاہیئے" وہ بولی -

"فرمایئے!"

"بھگوان کی دیا سے مجھے سب کچھ ملا ہے - نام، عزت، دولت میں ایک انگریزی روزنامہ کی جائنٹ ایڈیٹر ہوں - دو سال کے بعد میرے چیف ریٹائر ہونے والے ہیں - میرا خیال ہے کہ مجھے ان کی جگہ مل جائے گی - مدد تو میں آپ کی کر سکتی ہوں، اور کروں گی بھی - دن میں تو میں اپنے اخبار کا کام کرتی ہوں، اس کے بعد کافی وقت بچتا ہے - اس وقت میں میں آپ کی مس آرادھنا جو بے حد قبول صورت، خوش اطوار اور عمدہ اداکارہ ہیں، ان کی پبلسٹی سکریٹری کے کام کر سکتی ہوں پرائیویٹ طور پر —— دو ہزار روپیے ماہانہ تنخواہ ہوگی - چھ ماہ کا کنٹریکٹ ہوگا پہلے مہینے کی تنخواہ ایڈوانس میں ملے گی - پھر دیکھیئے گا میں آپ کی مس آرادھنا کی پبلسٹی کرکے انھیں آسمان پر پہنچا دوں گی - ایسے نئے انداز میں پبلسٹی کروں گی، کہ لوگ پراچی آرادھنا کو بھول جائیں گے"

سندرس جانی نے پنجرہ میں پھنسے ہوئے چڑھے کی طرح پھڑپھڑاتے ہوئے اپنے پارٹنر سے کہا -

"میں نے تم سے کہا نہیں تھا داؤد سیٹھ —— آج شاید ایک چیک اور کاٹنا پڑے گا"

داؤد سیٹھ چیک بک کھولنے لگے۔

شانتا کول نے نپے تلے انداز میں کہا۔

"چیک لکھنے سے پیشتر میری ایک شرط سن لیجیے۔"

"فرمائیے۔"

سندرس جانی نے ایسے لہجے میں کہا، گویا 'فرمائیے' کی جگہ کہہ رہا ہو "اگر اجازت ہو تو میں آپ کا گلا گھونٹ دوں۔"

"مجھے بھی ایک سکریٹری کی ضرورت ہے۔"

"تو؟" سندرس جانی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اور میں نے اپنے لئے جو سکریٹری پسند کیا ہے وہ وہی ہے جو مس آرادھنا کا سکریٹری ہے۔"

دونوں سیٹھ میری طرف دیکھنے لگے۔

"آج سے یہ سکریٹری میرے لئے بھی کام کرے گا۔" شانتا کول میری طرف دیکھے بنا بولی۔ "دن کو آرادھنا کے لئے کام کرے گا شام کے بعد میرے لئے...."

"ناممکن ہے۔" میں نے زور سے کہا۔

"تو میں جاتی ہوں۔" شانتا کول اٹھی۔

سندرس جانی نے اسے پکڑ کر بٹھا لیا۔

"بیٹھئے بیٹھئے۔" داؤد سیٹھ بولے۔ "بس اتنا اور بتا دیجئے کیا آپ کے — میرا مطلب ہے آپ کے سکریٹری کی پگار بھی مجھے دینا ہوگی؟"

"جی نہیں۔ اس کے پانچ سو روپے میں اپنی تنخواہ میں سے

دوں گی جو آپ مجھے دیں گے۔"

"مجھے منظور نہیں ہے۔"

"تم چپ رہو۔" سندر سی جانی خفا ہو کے بولا "یہاں پچاس لاکھ کی پکچر ڈوب سکتی ہے۔ تم بیچ میں بولنے والے کون ہوتے ہو؟"

داؤد سیٹھ بولا۔

"میں مس آزادھنا کے سکریٹری کو بول دوں گا، وہ آپ کا کام بھی کریں گے۔"

"یہ لیجیے، دو ہزار کا چیک ۔۔۔"

شانتا کول چیک پرس میں ڈال کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

"کیا تم میرا ریپ کرنا چاہتی ہو؟"

"نہیں تو۔" وہ بولی "میں نے صرف تمھاری سروس خریدی ہے۔"

"اس سے پہلے لوگ عورتیں خریدتے تھے، اب مرد بھی خریدے جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"کیا حرج ہے۔ اگر عورت آزاد ہے، خود کماتی ہے، اتنا کماتی ہے کہ اپنے لیے ایک سکریٹری رکھ سکے تو کیوں نہ رکھے۔ کیا تم عورت اور مرد کی برابری کے قائل نہیں ہو؟"

"قائل تو ہوں۔" میں نے کہا "مگر تم کچھ زیادہ ہی برابری کرنے لگی ہو ۔۔۔ میری ڈیوٹی کتنے گھنٹے کی ہوگی؟"

"چھ گھنٹے — چھ سے بارہ تک"

"کام کیا ہوگا ؟"

"جو میں کہوں"

"تم کیا کہو گی ؟"

"میں کہہ سکتی ہوں سکریٹری وہ فائل لاؤ۔ سکریٹری ایک گلاس پانی پلاؤ، سکریٹری میرا سگریٹ سلگادو، سکریٹری یہ خط ٹائپ کردو، سکریٹری میرے لئے ایک کہانی لکھو۔ سکریٹری مجھے اپنی گود میں بٹھالو — مجھے ایک بوسہ دو"

"گود میں بٹھانا اور بوسہ دینا سکریٹری کے فرائض میں شامل نہیں ہے"

"ہیں — کسی بھی دفتر میں جاکے پرائیویٹ طور پر معلوم کرسکتے ہو — فرق صرف اتنا ہے کہ اس سے پہلے یہ کام عورت سکریٹری کرتی تھی — آج سے ایک مرد سکریٹری کو بھی یہی کام کرنا پڑے گا"

میں نے کہا "تمہیں معلوم ہے۔ تم ایک شریف بھولے بھالے اور کنوارے نوجوان پہ دست درازی کررہی ہو؟ اس کی مجبوری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے دامنِ عفت کو چاک چاک کرنے کے درپے ہو۔ اس کی زندگی کے نایاب گوہر عصمت کو اپنے جبر دستم سے لوٹ لینا چاہتے ہو"

"شام کو چھ بجے میرے فلیٹ پہ پہنچ جانا" اس نے حکم دیا۔

"اور اگر میں نہ آؤں تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو کل اخبار کے پہلے ایڈیشن میں تمہاری جمنا کا سارا کچا چھٹا تمہاری اور تمہارے دوستوں کی تصویروں کے ساتھ شائع کر دیا جائے گا ___ آؤ گے نا؟"

میں کچھ نہیں کہہ سکا۔ غصّے سے اس قدر کھول رہا تھا کہ بول ہی نہیں سکا۔ بس آہستہ سے میں نے اقرار میں سر ہلا دیا جیسے دلہنیں شادی کے وقت آہستہ سے اقرار ازدواج کرتی ہیں۔

شانتا کول زور سے ہنسی۔ پھر اپنا پرس جھلاتی ہوئی اپنے ہاتھ سے مجھے بائی بائی کرتی ہوئی سٹوڈیو سے باہر چلی گئی۔

"میرے باپ کی سکریٹری اسے پیرس میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔" ایک دن جمنا نے مجھے بتایا۔ "میرا باپ بہت غمزدہ ہے۔ وہ اب کچھ دنوں کے لئے سپین جانا چاہتا ہے۔"

"آہ سپین ـــ گدھوں اور بیلوں کا دیس ـــ کولمبس اور ڈان کوئی ہاٹ کا دیس، اونچے منیلا اور جالی دار دوپٹے والی خوبصورت آنکھوں والی حسیناؤں کا دیس، لافانی مصور گویا کا دیس، قرطبہ، الحمرا کا دیس... میں خواب دیکھتے دیکھتے چپ ہو گیا۔

"اسے یہ سب دیکھنے کا شوق نہیں ہے۔ وہ اب ایک سپینی سکریٹری رکھنا چاہتا ہے، اُسے صرف نائٹ کلب کا شوق ہے، اس لئے وہ یورپ میں اپنا غم غلط کرنے کے لئے مزید چھ ماہ کے لئے رہنا چاہتا ہے۔"

"اس کی خواہش کو پورا کرنا تمھارا فرض ہے۔ تم ایک فرمانبردار بیٹی ہو، اور ایک مشہور و معروف فلم سٹار بھی ہو۔"

"سیٹھوں نے انتظام کر دیا ہے۔ پیرس میں اسے پچاس ہزار روپے اور مل جائیں گے۔"

"سیٹھوں نے اتنی جلدی انتظام کیسے کر دیا؟"

" وہ نہیں چاہتے کہ مس آرادھنا کا باپ ابھی بمبئی آئے۔ وہ نہیں چاہتے، کہ ابھی میں اپنے باپ کا سامنا کروں۔ اس لیے انھوں نے سب بندوبست کر دیا ہے، اور مجھ سے روپے کی رسید لے لی ہے۔"

"تم سے کیوں؟"

"وہ میرا باپ ہے۔"

"کیا تم واقعی اسے اپنا باپ سمجھنے لگی ہو؟"

"سمجھتی نہیں، مگر سمجھنے کو جی چاہتا ہے۔ پھر سے لڑکی بن کر اپنے باپ کی انگلی پکڑ کر گھومنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی گود میں بیٹھ کر اس کی بڑھی ہوئی شیو سے کھیلنے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی پیٹھ پر چھلانگ لگا کر، اس کے کندھوں پر چڑھ کر کسی میلے کو جانے کو جی چاہتا ہے۔ تمھیں تو معلوم ہی نہیں جس لڑکی کو کبھی اپنا باپ نہیں ملا اس کا جی کیا کیا چاہتا ہے۔"

"اور ماں؟"

"میری ماں —— آج تمھیں بتا رہی ہوں۔" جمنا کی آنکھیں جھپکنے لگی تھیں۔ "میری ماں جس نے مجھے پالا، دراصل میری ماں نہیں تھی۔ اس نے مجھے کوڑے کے ایک ڈھیر پر پڑا پایا تھا۔ ساری زندگی میں نے اپنی اصلی ماں کا چہرہ ڈھونڈا ہے۔ راتوں کو لیٹ کے آنکھیں بند کر کے میں سوچتی ہوں، کیسی رہی ہو گی میری ماں!"

"یہ جانتے ہوئے بھی، کہ وہ تمھیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک گئی!"

"وہ مجبور رہی ہو گی۔ کسی شریف گھرانے کی لڑکی جانے کس

بے وفا کے چکر میں پھنس کر اپنی عزت لٹا بیٹھی۔ شاید وہ کالج میں پڑھتی تھی۔ کسی لڑکے سے اس کا عشق ہو گیا ہو گا۔ یا کسی بڑے گھر کی ناز و نعم میں پالی ہوئی لڑکی ہو گی وہ کسی ایک لمحہ کی غلطی میں۔ کبھی سوچتی ہوں شاید وہ کوئی شادی شدہ عورت ہو گی۔ گھر والا کمائی کرنے افریقہ گیا تھا۔ پیچھے کوئی گڑبڑ ہو گئی۔ وہ واپس آ رہا تھا۔ میری ماں کیا کرتی؟ طرح طرح کے رنگ بھرتی ہوں اپنی ماں کے چہرے میں۔ راہ چلتے چلتے ٹھٹھک کر دیکھنے لگتی ہوں۔ ادھیڑ عمر کی عورتوں میں کوئی اجنبی بڈھی عورت مجھے دیکھ کر مسکراتی ہے تو دل دھڑکنے لگتا ہے۔ لگتا ہے جیسے مجھے میری ماں مل گئی۔ پھر وہ مسکراتے ہوئے مجھ سے پوچھتی ہے۔ بیٹی، اٹھارویں سڑک کدھر ہے۔ میں بتاتی ہوں تو وہ مجھے کہتی ہے اٹھارویں میں ٹک پہنچ پایا تو اس کدھر ہو گا۔ وہاں میری بیٹی رہتی ہے۔ "بیٹی" وہ اتنے پیار سے کہتی ہے کہ میرا من بھر آتا ہے۔ جی چاہتا ہے اس سے پوچھوں، سچ سچ کیا تو میری ماں نہیں ہے؟ کیا اپنی جوانی کی کوئی غلطی یاد نہیں ہے تجھے؟ اب تو وہ زمانہ گزر گیا۔ اب تو یاد کر لے اور مجھے اپنے گلے سے لگا لے۔ مگر وہ مسکراتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ پھر رات کے اندھیرے میں مجھے اس کا چہرہ اپنے چہرہ پہ جھکتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور وہ روتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے میرے چہرے کو اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں لے کر کہتی ہے۔ ہاں میں ہی تیری ماں ہوں۔۔۔ میں ہی۔۔۔ مگر دن کے اجیالے میں تجھے

اپنی بیٹی نہیں کہہ سکتی۔ اس لئے رات کے سناٹے تاریک پردوں
میں چھپ کر تجھے بیٹی کہنے آئی ہوں ـــ بیٹی! میری بچی!
وہ مجھے اپنے سینے سے لگا لیتی ہے اور میں اس کی گود میں منہ
چھپا کر رونے لگتی ہوں۔ آنکھ کھل جاتی ہے۔ کوئی نہیں ہے،
بستر پر اکیلی ہوں۔ منہ تکیہ میں دبائے پڑی ہوں۔ تکیہ آنسوؤں
سے بھیگ گیا ہے۔"

اب اس وقت بیان کرتے کرتے جمنا کی آنکھوں میں آنسو
پھر جھلکنے لگے۔ پھر وہ ایک دم اپنے آنسو کر مسکرا دی۔
"مجھے معلوم ہے، تم کیا سمجھتے ہو مجھے اپنے دل میں۔۔۔۔
ایک بیوقوف لڑکی، اسی لئے تو میں نے اس رسید پر دستخط کر دیئے۔
مجھے ایسا لگا، جیسے میں اپنے باپ کو پچاس ہزار روپے بھیج
رہی ہوں۔"

شوٹنگ کا کام بڑی تیزی سے چل نکلا تھا۔ پکچر اپنے
آخری مراحل طے کر رہی تھی۔ جمنا کے کام نے بڑے بڑے ڈسٹری
بیوٹروں کو چونکا دیا تھا۔ سیٹھوں نے جمنا کی کامیابی سے متاثر
ہو کر اسے دو نئی تصویروں کے لئے پہلے سے دگنے تگنے دام دے کر
طے کر لیا۔ جمنا کی زندگی اور اس کے ساتھ ہم لوفروں کی زندگی
بھی کامیابی اور خوشحالی کی سیدھی ڈگر پر چلنے لگے۔

جوں جوں پکچر خاتمہ کے قریب پہنچتی جاتی تھی رشانتا کول کی
پبلسٹی مس آزادھنا کے لئے بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے مس آزادھنا
کی پبلسٹی کو صرف اس کے سیکس اور گلیمر تک محدود نہ رکھا تھا۔

وہ اسے ایک ذمہ دار سوشل خاتون ثابت کرنے پر تل گئی تھی۔ مس آزاد دھنا کو طرح طرح کی سوشل تقاریب میں بلایا جانے لگا۔ جہاں مس آزاد دھنا تقریریں کرنے لگی۔ بالعموم یہ تقریریں شانتا کول کی لکھی ہوتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی یہ کام مجھے بھی سونپا جاتا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمنا اپنی اداکاری سے ان تقریروں میں جان ڈال دیتی تھی۔ ان تقریروں سے بمبئی کے سماجی حلقے چونکنے لگے۔ انھیں کچھ خیال ہوا کہ فلمی ستارے ذمہ دار افراد بھی ہوتے ہیں۔ وہ لوگ پہلے سے بھی زیادہ تقاریب میں آزاد دھنا کو بلانے لگے۔

دوسرے پینترے میں شانتا کول نے مس آزاد دھنا سے چندے دلوانے شروع کئے۔ کہیں پر پانچ سو، کہیں پر ہزار، کسی جگہ دو ہزار، کسی جگہ پانچ ہزار۔ آہستہ آہستہ، دھیرے دھیرے آزاد دھنا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے ساتھ وہ چندے کی رقم کو بڑھاتی گئی۔ پھر جب بمبئی کے میئر نے ایک دن شہر بمبئی کے لئے مجبور اور بے کس عورتوں کے لیے ایک ونیتا آشرم کھولنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو شانتا کول نے میئر کی تجویز کو لبیک کہتے ہوئے مس آزاد دھنا کی طرف سے اس ونیتا آشرم فنڈ میں ایک لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا۔

بمبئی کے اخباروں کے پہلے صفحے پر جلی حروف میں یہ اعلان چھپا، اور ساتھ میں ہر روزنامے، ویکلی، پندرہ روزہ، فلمی اور غیر فلمی رسالوں میں نہ صرف بمبئی کے بلکہ بمبئی سے باہر کے اخبارو

کے پہلے صفحہ پر مس آزاد ھنا کی تصویر چھپی۔ اس خبر کی اتنی پبلسٹی
ہوئی، اتنے اخباروں، رسالوں، ہفت ناموں اور پندرہ روزہ
اخباروں میں یہ خبر آئی کہ جب شانتا کول نے سب کے تراشے
جمع کر کے سیٹھوں کو دکھائے تو انھیں یقین ہو گیا کہ شانتا کول نے
نہایت کامیابی سے مس آزاد ھنا کی پبلسٹی کے ساتھ ساتھ ان کی فلم
کی پبلسٹی بھی کر دی تھی اور اس وسیع پیمانے پر کی تھی کہ اگر ان
تراشوں کی مجموعی رقم کا معمولی اخباری اشتہار کی شرح سے
بھی اندازہ کیا جائے تو تین لاکھ کی رقم خرچ ہوتی۔ اس لیے سیٹھ
بڑی آسانی سے ایک لاکھ روپے کا چندہ کمپنی کی مد میں سے دینے
کے لیے تیار ہو گئے۔

اس گراں قدر عطیہ کے سلسلے میں شانتا کول نے ایک شاندار
اور پُر وقار تقریب کا انتظام کیا۔ اس تقریب میں مس آزاد ھنا
بمبئی کے میئر کو ایک لاکھ کا چیک پیش کریں گی۔ اس تقریب کے لیے
شانتا کول نے بمبئی کے سب سے ممتاز ہال "سر کاؤس جی جہانگیر ہال"
کا انتخاب کیا۔ بے حد حسین و جمیل دعوت نامے چھپوائے۔ خود
راج بھون جا کر گورنر سے ملی اور انھیں بہ نفس نفیس اس
عظیم تقریب کی صدارت کے لیے آمادہ کیا۔ پھر وہ وزارت کے چیدہ
چیدہ اراکین سے ملی اور ان میں سے بھی کئی ایک کو اس نے اس
تقریب میں شرکت کرنے پر آمادہ کر لیا۔ پھر اس نے اس تقریب
میں بمبئی کے چوٹی کے اکابرین، اونچے طبقہ کے شرفا، معزز
خواتین، تمام بڑے بڑے فلم ساز، اور سیاسی نیتاؤں کو مدعو

کیا اور جستہ جستہ ذاتی طور پر جا کر تمام اہم اور معزز افراد سے اس تقریب میں شامل ہونے کا وعدہ بھی لے آئی۔ جس تندہی سے شانتا کول اس سلسلے میں کام کر رہی تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس تقریب کو بمبئی کی ایک عظیم الشان اور باوقار تقریب بنانا چاہتی ہے۔

اور فنکشن ہوا بھی اسی ڈھنگ سے۔ چار بجے سے ہی پولیس نے سر کاؤسجی جہانگیر ہال کے ارد گرد پہرہ لگا دیا۔ حالانکہ فنکشن چھ بجے ہونے والا تھا۔ خود انسپکٹر فتح علی نے (جس کا تبادلہ اب ماہم سے فورٹ کے علاقے میں ہو گیا تھا) آگے بڑھ کے مس آزاد دھنا کی کار کا دروازہ کھولا تھا۔ شانتا کول نے ایک مختصر سی لیکن جامع تقریر میں مس آزاد دھنا کے عالی خاندان، اس کے بزرگوں کا ریاست، شجرۂ نسب، اس کے پشتینی وقار، عالی ظرفی اور غربا پروری کا ذکر کیا تھا جو پشتہا پشت سے اس خاندان کا شیوہ چلا آ رہا تھا۔ میر جو کہ مس آزاد دھنا کے خاندان سے کوئی واقفیت نہ رکھتا تھا اس نے بھی اسی نسخہ کو آسان سمجھ کر مس آزاد دھنا کے عالی خاندان ہونے پر زور دیا اور بتایا کہ اگر اسی طرح کے عالی خاندانوں کی دوسری لڑکیاں بھی فلم کے کام کو اپنا لیں تو اس سے نہ صرف فلم، بلکہ ملک کے وقار میں بھی اضافہ ہوگا۔ مس آزاد دھنا نے ایک شاندار اور دلآویز تقریر کی اور اس خوبی سے ونیتا آشرم میں آنے والی مجبور و مقہور عورتوں کا نقشہ کھینچا کہ بعض کمزور دل رکھنے والے سامعین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور ہال بار بار تالیوں سے

سے گونج اٹھا۔ مس آرادھنا نے گورنر کے گلے میں ہار پہنائے۔
اور ممبر کے گلے میں بھی۔ پھر جب ممبر نے ایک لاکھ کا عطیہ
قبول کرتے ہوئے مس آرادھنا کے گلے میں ہار ڈالا، تو تمام
حاضرین کھڑے ہو کر دو منٹ تک مس آرادھنا کی عزت افزائی
کرنے کے لئے تالی بجاتے رہے۔ گورنر اور ممبر اور وزراء اور
دیگر اکابرین کے ساتھ جمنا کے فوٹو لئے گئے۔ درجنوں فوٹو،
کبھی اس پوز میں، کبھی اس پوز میں۔ جمنا ایک درخشندہ ستارے
کی طرح دمکتی ہوئی بمبئی کے سب سے اونچے طبقہ کی نگاہوں کا
تارا بن گئی۔ یہ ایک ایسا فنکشن ہوا، جسے جمنا جب تک زندہ
رہے گی ہمیشہ یاد رکھے گی۔ جب وہ سینکڑوں اپنے چاہنے والوں
کے جھرمٹ میں سے آٹو گراف دیتے دیتے میرے ساتھ گاڑی
میں بیٹھی اور جب گاڑی دھیرے دھیرے پبلک کے اژدہام
سے نکل کر مالابار ہل کی طرف جانے لگی تو فرطِ مسرت سے اس نے
اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا ــــ اور سسک سسک کر
رونے لگی۔

اس تقریب کے بعد تصویر کا بھاؤ بازار میں اور بھی بڑھ گیا
سیٹھوں کو معلوم ہوا کہ ڈسٹری بیوٹر لوگ اس تصویر کے لئے منہ
مانگے دام دینے کو تیار ہیں اور جن ڈسٹری بیوٹروں نے پہلے سے
تصویر لے رکھی ہے، وہ بھی اس کے دام بڑھانے کے لئے تیار

ہیں۔ سیٹھ، شانتا کول کے کام سے بے حد خوش نظر آتے تھے۔ اور ایک دفعہ شانتا کول نے پبلسٹی کے کام سے الگ ہو جانے کی دھمکی دی، تو وہ کسی طرح نہ مانے۔ الٹا منت سماجت کرنے لگے بالآخر خوشامد کر کے انھوں نے شانتا کول کو کام جاری رکھنے پر آمادہ کر لیا۔ حالانکہ شانتا کول کا اس کام کو چھوڑ دینے کا مطلق کوئی ارادہ نہ تھا۔

"پھر بھی رعب تو رکھنا ہی پڑتا ہے۔" شانتا کول نے مسکرا کر مجھ سے کہا۔

"تم رعب تو سب پر رکھتی ہو۔" میں نے کہا۔

"ایک تم پر نہیں چلتا۔" وہ نیم باز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میرا کیا ہے۔ میں تو کرایہ کا شوہر ہوں چھ ماہ کے لئے لیو اینڈ لائسنس پر!"

شانتا کول نے گھور کر مجھے دیکھا، پھر چپل اٹھا کر مجھے مارنے کے لئے دوڑی۔

میں نے جلدی سے دوسرے کمرے میں گھس کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

اس پبلسٹی سے کچھ الجھنیں بھی پیدا ہونے لگیں۔ آزاد ھنا کے چاہنے والوں کی تعداد میں دن بدن اضافے ہونے لگے۔ کچھ پرانے

عاشق مایوس ہو کر قتل یا مقدمہ بازی کی دھمکی دینے لگے۔ جمنا اب اپنے عاشقوں کو ایک فاصلے پر رکھنے، ٹالنے اور ڈانٹتے ہی چلے جانے کے کام میں بہت مشاق ہوتی جا رہی تھی۔ پھر بھی وہ یہ محسوس کرتی تھی، کہ یہ کام خاصا مشکل ہے اور اس میں اداکاری کے جوہر دکھلانے پڑتے ہیں اور وہ جس طباعی اور حاضر جوابی اور پینترے بازی کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے وہ فلم ایکٹنگ کے کام سے بھی مشکل ہے۔

ایک روز جب ہم فلم کی شوٹنگ سے فارغ ہو کر واپس آئے تو دیکھا کہ اپنی بلڈنگ کے سامنے ایک نوجوان دبلا پتلا اور پتلی پتلی ٹانگوں والا نہایت تنگ موہری کی پتلون پہنے ہاتھ میں ایک جھنڈا لیئے کھڑا ہے جس پر جلی حروف میں لکھا ہے۔

"میں مس آرادھنا سے شادی کروں گا!"

اس نوجوان کی بغل میں ایک کتاب تھی اور پاؤں کے قریب ٹین کا ایک ڈبہ رکھا تھا۔ آٹھ دس لونڈے اس کے ارد گرد کھڑے اس پر ہنس رہے تھے۔

ہماری گاڑی پہچان کر وہ لڑکے تتر بتر ہو گئے، مگر گئے نہیں، ذرا دور ہٹ کر تماشہ دیکھنے لگے۔ جب گاڑی رکی تو اس میں سے باسکو، تانتیا اور جمنا نکلے۔ عبدل ڈرائیو کر رہا تھا۔ میں اپنی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ وہ نوجوان آرادھنا کو دیکھ کر جھنڈا لیئے آگے بڑھا۔ بہت ہی مہذب اور سنجیدہ نوجوان معلوم ہوتا تھا۔

جب وہ قریب آ گیا تو ہم نے دیکھا کہ اس کے دونوں ہاتھوں

ہیں جھنڈے ہیں، مگر ایک ہاتھ کا جھنڈا کھلا ہے، دوسرے کا بند ہے۔ کھلے جھنڈے پہ لکھا تھا

"میں مس آرادھنا سے شادی کروں گا"

یہ اعلان پڑھ کر جمنا نے اس سے پوچھا۔

"آپ ہم سے شادی کریں گے؟"

"جی ہاں — !"

وہ نوجوان کسی قدر شرما کر بولا۔

"کیوں؟" جمنا نے پوچھا۔

وہ بولا

"کیونکہ ہم بھروچ سے آئے ہیں"

جمنا بولی

"تو کیا جتنے لوگ بھروچ سے آئیں گے ان کے ساتھ میرا شادی کرنا لازمی ہے؟"

نوجوان گھبرا کر بولا

"آپ نے ہماری پوری بات نہیں سنی۔ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم بھروچ کے رہنے والے ہیں۔ بھروچ سے پیدل چل کر آپ کے گھر تک پہنچے ہیں"

جمنا نے پوچھا۔

"یہ آپ کی بغل میں کیا ہے؟"

"یہ کویتاؤں کی کتاب ہے۔ ہم نے چھ سو کویتائیں لکھی ہیں آپ کی تعریف میں! ایک رات سپنے میں ہم کو سرسوتی دیوی دکھائی۔

دی تھیں، انھوں نے ہم سے کہا "اگر تم آرادھنا کی تعریف میں چھ سو کویتائیں لکھ لو، تو تمھاری شادی آرادھنا سے ہو جائیگی ہم نے تین سال بیٹھ کر یہ چھ سو کویتائیں لکھی ہیں اور خود بھر دی سے پیدل چل کر ..."

جمنا نے اس کی بات کاٹ کر کہا

"یہ دوسرا جھنڈا جو آپ کے ہاتھ میں ہے یہ کس لئے؟"

نوجوان پھر کسی قدر شرما کر بولا۔

"یہ تو ہم جب بتائیں گے جب آپ ہم کو ہاں یا ناں میں جواب دے دیں گی"

جمنا بولی

"تو ناں سمجھ لیجیے"

نوجوان بولا

"تو لیجیے ___ دوسرا جھنڈا دیکھیے"

نوجوان نے دوسرا جھنڈا کھول کر ہوا میں لہرایا۔ اس جھنڈے پر لکھا ہوا تھا ___

"اگر مس آرادھنا ہم سے شادی نہیں کریں گی تو ہم تیل چھڑک کے مر جائیں گے"

میں نے اس نوجوان سے پوچھا۔

"یہ تیل چھڑک کر مر جانے کی صلاح بھی کیا سرسوتی دیوی نے آپ کو دی تھی؟"

"جی نہیں" وہ نوجوان بڑے قاعدے سے اور بڑے مہذب

طریقے سے مجھ سے مخاطب ہوا ۔" ہم نے دیکھا ہے کہ آجکل تیل چھڑک کر مر جانے سے سب کام ہو جاتے ہیں ، اس لئے ہم تیل کا ڈبہ اپنے ساتھ لائے ہیں ۔" نوجوان نے اپنے پاؤں کے قریب رکھے ہوئے مٹی کے تیل کے ڈبہ کی طرف اشارہ کیا اور پھر آرادھنا کی طرف دیکھ کر کہنے لگا ۔" ہم کو سرسوتی دیوی کا وردان مل چکا ہے ۔ ہم بھروچ سے آئے ہیں ۔ آپ سیدھے سیدھے ہم سے شادی کر لیجئے ، نہیں تو ہم تیل چھڑک کے مر جائیں گے ۔"

ہیں نے ، نانیا نے ، جمنا نے ، عبدل نے ، سب نے اس نوجوان کو بہت بہت سمجھایا مگر وہ حضرت کسی طرح نہیں مانے ۔ اپنی بات پر اڑے رہے ۔ آخر باسکو کو اکدم غصہ آ گیا ۔ اس نے اس نوجوان کے قدموں سے تیل کا ڈرم اٹھا لیا اور اسے کھول کر اسے اس نوجوان پر الٹا کر کے اس کے کپڑوں پر چھڑکاؤ کرنے لگا ۔

" یہ کیا کر رہے ہیں آپ ؟"

" مٹی کے تیل کا چھڑکاؤ ہو رہا ہے ۔"

باسکو نے اس دبلے پتلے نوجوان کو گردن سے پکڑ کر مٹی کے تیل کا سارا ڈرم اس کے اوپر الٹ دیا ۔ مٹی کے تیل کی بو چاروں طرف پھیل گئی ۔ باسکو نے ڈرم خالی کر کے اپنی جیبیں ٹٹولیں ، مگر اس کی جیب سے کوئی ماچس نہ نکلی ۔ اس وقت اس تماشہ کو دیکھنے کے لئے بیس تیس آدمی جمع ہو چکے تھے ، مگر ذرا دور ہی کھڑے تھے ۔

باسکو دور کھڑے ہوئے ایک آدمی کے پاس گیا اور اس سے

ماچس طلب کی۔ اس نے ماچس نہیں دی۔ کسی نے بھی نہیں دی تو وہ گرجتا برستا اس نوجوان کے پاس آیا۔

"جلنے آیا ہے تو کیا جیب میں ماچس بھی لے کے نہیں آیا ہے"۔

"ماچس تو ہماری جیب میں ہے"۔

مگر اس کے کہنے سے پہلے ہی باسکو نے اس کی جیب سے ماچس نکال لی اور دیا سلائی کو مسالہ کی سطح پہ رکھ کر بڑے مضبوط لہجہ میں بولا۔

"اب دکھاؤں ماچس! — دکھاؤں؟... دکھاؤں؟.... دکھاؤں؟"

باسکو دھیرے دھیرے ایک ایک انچ سرکتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ آگے بڑھتا گیا، آگے بڑھتا گیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گیا تو اس نے دیا سلائی الٹا کر اسے مسالہ کی سطح پر رگڑنے کا عمل ظاہر کیا۔ اکدم وہ نوجوان دونوں جھنڈے پھینک کر بھاگنے لگا۔ کتاب اس کی بغل سے گر کر زمین پر آرہی۔ وہ نوجوان بھاگتا جا رہا تھا، اور باسکو دیا سلائی کو جلائے بغیر ہی خالی ڈرم کے پاس کھڑا ہوا ہنس رہا تھا۔

چند لمحے تو ہم سب ہکا بکا کھڑے رہے۔

"اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے"، میں نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

"پر ڈوبتا کون ہے آج کل؟" تامتیا نے مجھ سے پوچھا۔

پیشتر اس کے، کہ میں کچھ کہتا، عیدل بول پڑا۔

"آج کل جتنے عاشق ہیں سب گرہ کٹ ہیں"

تانتیلا نے عبدل کو ایک دھپ دیا۔ ہم سب لوگ لفٹ کی طرف بڑھ گئے۔ لفٹ ابھی آئی نہ تھی۔ باسکو نے اپنا ہاتھ لفٹ بلانے کی بٹن پر رکھ دیا۔ اور بار بار اسے دبانے لگا۔

جمنا چپ چاپ لفٹ کے آہنی دروازے کے باہر کھڑی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

میں نے پوچھا "اگر وہ نوجوان نہ بھاگتا، وہیں کھڑا رہتا، اپنے آپ کو جل جانے دیتا تو تم کیا کرتیں؟"

جمنا دھیرے سے بولی "میں بھی اس کے ساتھ جل جاتی"

اگلے تین مہینوں میں پکچر شوٹنگ، اور ایڈیٹنگ کے مراحل طے کرتی ہوئی مکمل ہو گئی اور زور شور سے اس کے ریلیز کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ایک طرف پکچر پبلسٹی کا کام بڑھا دیا گیا تھا، دوسری طرف شانتا کول آرادھنا کی پبلسٹی کا کام بڑھائے جا رہی تھی۔ جمنا کی یہ پہلی پکچر ہوگی اس لئے وہ چاروں طرف لوگوں کے تعریفی پل باندھنے کے باوجود عوام کا ردعمل جاننے کے لئے بے تاب تھی۔

"راکسی میں پریمیئر طے ہوا ہے، اگلے بدھ کے روز۔" سیٹھ داود ملوانی نے آکے بتایا۔

پریمیئر کا دن فلم والوں کے لئے ایک طرح سے بڑے دکھاوے کا دن ہوتا ہے۔ اس دن فلم میں کام کرنے والے اداکار، ہیرو، ہیروئن، ڈائریکٹر سے لے کر سیٹ کے چپراسی تک اپنے بہترین لباس میں نظر آتے ہیں۔ ہیرو اور ہیروئن کو تو خاص طور سے سجنا پڑتا ہے۔

داود سیٹھ نے کہا

"تمہارے لئے درزی لایا ہوں۔ یہ تمہارے لئے پریمیئر کے دن کی خاص الخاص ڈریس بنائے گا۔"

"کیا پہنوں گی میں؟" جمنا نے پوچھا۔

"غرارہ، کرتا، دوپٹہ اور مغلئی زیور۔"

"مغلئی زیور کہاں سے آئے گا؟"

"تمھارے لیے خاص طور پر ایک سیٹ کا آرڈر دیا گیا ہے۔"

سندر بس جانی نے مسکرا کر کہا، "اور پریمیئر سے ایک دن پہلے تم ہمیں ایک پارٹی دے رہی ہو —— دیکھا جائے تو یہ تمھاری پہلی پکچر ہوگی اور تمھارا پہلا پریمیئر —— اس لیے یہ پارٹی تم دو گی ——!"

سندر بس جانی نے تجویز پیش کی۔

"ضرور کو پارٹی میں دوں گی"، جمنا خوشی سے سر ہلا کے بولی۔ "کس کس کو بلایا جائے گا؟"

"باہر سے کسی کو نہیں بلایا جائے گا"، سندر نے کہا۔

"بس پانچ نوفر تم، اور دو نوفر ہم!" داؤد سیٹھ نے ہنس کر کہا، "بڑی پارٹی ہم کریں گے —— پریمیئر کا نتیجہ معلوم کرنے کے بعد!"

"مس شانتا کول کو دعوت دے دیجیے"، میں نے کہا۔

"ہو! سانتا بائی کو ہونا چ منگتا"، داؤد سیٹھ نے بمبیا زبان میں مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ سب ہنسنے لگے کیونکہ دھیرے دھیرے ہم سب لوگ بھی تہذیب یافتہ ہوتے جا رہے تھے، اور شائستہ زبان استعمال کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

جمنا کے لئے یہ ہفتہ بڑھتے ہوئے شوق، بے چینی، اور اضطراب کا تھا۔ اب وہ ہر وقت اپنے کپڑوں اور زیوروں میں مصروف رہتی تھی۔ بزاز آ رہے ہیں، درزی آ رہے ہیں، زیورات

کے ڈبے کھولے جا رہے ہیں، ڈیزائن پسند ناپسند کئے جا رہے ہیں، پریمیئر کے روز بالوں کا اسٹائل کیا ہوگا، میک اپ کا انداز کیا ہوگا، خوشبو کون سی استعمال کی جائے گی۔ کوئی ایک مسئلہ تو تھا نہیں۔ جمنا دن بھر اسی میں لگی رہتی تھی۔ پریمیئر کی شام اسی کے چشمِ تصور میں الف لیلیٰ کی رنگین اور روشن رات کی طرح جگمگا رہی تھی۔

اتوار کی شام کو جب جمنا سج سنور کر کسی انگریزی پکچر دیکھنے کے لئے جانے والی تھی اور اپنی گاڑی میں بیٹھنے والی تھی کہ کہ مخالف سمت سے ایک ٹیکسی آ کے بلڈنگ کے سامنے رکی اور اس میں سے ایک ادھیڑ عمر کا لیکن نہایت خوبرو مرد، عمدہ مغربی وضع کا سوٹ ڈانٹے ہوئے، کلائی پر سونے کی گھڑی باندھے، ہاتھ میں سوٹ کیس لئے اترا۔ وہ مسکراتا ہوا جمنا کی طرف بڑھے چلا آ رہا تھا اور جوں جوں نزدیک آتا جاتا تھا اس کی مسکراہٹ پھیلتی جاتی تھی۔ جمنا حیرت سے اس اجنبی مرد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اور میں بھی!

کون ہیں یہ حضرت جو اس قدر اپنائیت کا اظہار کر رہے ہیں لیکن جب وہ ہمارے بہت قریب آ گیا تو یکایک جمنا زور سے چیخی اور دونوں ہاتھ پھیلا کر اس مرد کے گلے سے لپٹ گئی ــــ!

یہ پریم درما تھا ــــ اتنے قریب آنے پر ہی میں اسے پہچان

سکتا تھا۔ اس کی صورت بھی بدل گئی تھی۔ کس قدر صحت مند، چاق و چوبند اور تنومند دکھائی دیتا تھا۔ آنکھوں میں پرکشش چمک تھی، چہرے پر گلاب کھلے ہوئے تھے۔

"تم نے تار تک نہیں دیا —— اپنے آنے کا خط تک نہیں لکھا" جمنا بولی۔

"میں تو اچانک ایک معجزہ کی طرح آنا چاہتا تھا" پریم ورما ہنس کر بولا۔

"معجزہ ہی تو ہوا ہے!" جمنا بار بار اس کی صورت دیکھتی تھی اور خوشی سے اس کے سینے سے لپٹ جاتی تھی۔ لیکچر کا پروگرام کینسل کر کے ہم لوگ اوپر لفٹ میں واپس اپنے فلیٹ میں چلے گئے۔

"آپریشن بہت کامیاب رہا" پریم ورما نے جمنا کو لفٹ میں بتایا "مجھے زندگی کے چار سال اور مل گئے ہیں۔ اگر آرام اور سکون کی زندگی نصیب ہوئی، تو ممکن ہے ایک یا دو سال اور مل جائیں۔ یعنی پانچ یا چھ سال"

اس کی آواز میں ایک ایسی کھنک اور مسرت تھی، جیسے اسے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔

"اب تو سکون ہی سکون ہے!" جمنا نے سرگوشی میں اس کے سینے سے لگے لگے کہا۔

"صرف پانچ سال؟"

بعد میں جب رات کو سب لوگ اکٹھے ہوئے تو عبدل نے پوچھا۔

"ارے بھئی۔ تم ابھی بچے ہو" پریم ورمانے اس سے کہا، "میں تم سے دُگنی بلکہ ڈھائی گنی زندگی زیادہ گزار چکا ہوں۔ تم ان پانچ سالوں کی قدر کیا جانو۔ صحت، مسرت اور محبت کے تو پانچ لمحے بھی بہت ہوتے ہیں۔" پریم ورمانے بڑے پیار سے جمنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک دن جب تم بہت بیمار تھے یہاں اور ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا، میں نے بھگوان سے صرف پانچ ماہ مانگے تھے، صرف پانچ ماہ کی مہلت! اس نے پانچ سال دے دیئے۔ لگتا ہے جیسے پانچ ہزار سال دے دیئے ہوں۔۔۔"

"کہاں بیتیں گے یہ پانچ سال؟" پریم ورمانے ہنس کر کہا۔

"ایک دوسرے کی آنکھوں میں۔" جمنا نے مسرت کا ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

اتنے میں سیٹھ داؤد کا ٹیلی فون آ گیا۔ جمنا اور پریم ورما دونو کے لئے تھا۔ پریم ورما کو دونوں سیٹھوں نے مبارکباد دی۔ اور جمنا کو کچھ ضروری ہدایتیں، پریم ورما کے سلسلے میں۔ دونوں کا رشتہ کسی کو معلوم نہ ہونے پائے ۔۔۔ بلکہ میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہ دیکھے جائیں ۔۔۔ دو دن بعد پریمیئر ہے اس لئے احتیاط لازم ہے۔"

پریم ورما اور جمنا دونوں نے سیٹھوں کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کیا۔ سندر بس جانی نے منگل کی رات کی دعوت کے بارے میں جمنا کو یاد دلایا۔

"اس رات تم اپنے پریمیئر کے کپڑے پہننا۔" سندر نے کہا۔ "وہ ٹرائی ہو جائے گی — معلوم ہو جائے گا پریمیئر کی رات کیسی لگو گی۔"

"ٹھیک ہے — پرسوں کی دعوت میں وہی کپڑے پہن کر آپ کو دکھا دوں گی۔"

منگل کی رات کو ہم سب لوگ کھانے کی میز پر بیٹھے تھے۔ میں اور شانتا کول، باسکو اور تانتیا، سیٹھ داؤد، پریم ورما اور سندر بس جانی۔ جمنا کی کرسی خالی تھی اور سب کو جمنا کا انتظار تھا، جو غالباً دو گھنٹے سے اپنے بیڈ روم میں بند تھی۔ ہم سب کی نگاہیں باہر کوریڈور پر لگی تھیں، جدھر جمنا کا بیڈ روم تھا۔

مزید پندرہ بیس منٹ اسی انتظار میں گزر گئے۔ پھر اچانک کسی اجنبی خوشبو کا تعطّر ہوا میں لہرانے لگا۔ کانوں میں ریشمی کپڑوں کی سرسراہٹ کی آواز سنائی دی — ہم سب نے نگاہیں اٹھا کے دیکھا۔

جمنا کوریڈور کے موڑ سے نمودار ہو کر دھیرے دھیرے کھانے کے کمرہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ماڈرن مشاطگی سے آراستہ اس کا حسن آنکھوں میں چکا چوند پیدا کئے دیتا تھا۔ اس نے چمکتے ہوئے گہرے اودے رنگ کی بروکیڈ کا غرارہ پہن رکھا تھا جس پر سنہری چمپا ٹکی ہوئی تھی۔ بنفشئی نائیلون لیس کا سادہ کرتا تھا اور کامدانی کے دوپٹہ پر پشت ماہی کا جال پھیلا ہوا تھا۔ بالوں میں

پھول تھے، کانوں میں کرن پھول جھمکے، گلے میں یاقوتی گلوبند اور کلائیوں میں جہانگیریاں، وہ سچ مچ ایک مغل شہزادی لگ رہی تھی۔ آپ ہی آپ بے اختیار ہم سب اپنی کرسیوں سے کھڑے ہو گئے ... وہ بڑی پُروقار چال سے چلتی ہوئی کھانے کی میز کے قریب آ کر اپنا لباس سنبھال کر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ہم سب اس کے جمالِ حسن سے اس قدر بے خود سے تھے، کہ دو منٹ تک تو کوئی نہیں بولا۔

پھر جمنا نے گردن ذرا سی تیوڑھا کر ترچھی نظر سے سندرس جانی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "ہوں"!

"یہ رب!" سندرس جانی حیرت زدہ ہو کے بولا۔ "یہ پمیئر کے موقع پر قیامت برپا کر دو گی"!

کھانا بے حد عمدہ اور پُر تکلف تھا۔ کھانے کے بعد کافی پینے کے لئے ہم سب لوگ لاؤنج میں اٹھ گئے اور گفتگو اپنے مخصوص دھڑے پر آ گئی ـــ گفتگو کا محور کل کا پریمیئر تھا جس کے لئے ہم سب لوگ گھڑیاں گن رہے تھے۔

کافی پی کر جمنا لباس تبدیل کرنے کے لئے چلی گئی اور پھر شفان کی ایک سفید ساڑھی پہن کر واپس آ گئی اور ہم سب کی گفتگو میں شریک ہو گئی۔

اتنے میں فلیٹ کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ کاشی بائی دوڑی دوڑی دروازہ پر دیکھنے گئی۔ پھر دروازہ کے کھلنے کی آواز آئی۔ چند لمحوں کا سکوت ـــ پھر ایک چیخ کاشی بائی کی ـــ پھر تیز تیز

قدموں کی بڑھتی ہوئی آواز ـــــ جمنا اٹھ کے کھڑی ہو گئی۔ ہم سب لوگوں کی نگاہیں لاؤنج کے دروازہ پر تھیں۔

یکایک لاؤنج کے دروازہ پر ایک عورت نمودار ہوئی ـــــ سفید ساڑھی پہنے ہوئے۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک لمبا تڑنگا چھ فٹ کے قد کا مضبوط آدمی آ کے کھڑا ہو گیا۔

اس عورت کو دیکھتے ہی سندر بس جانی اور داؤد سیٹھ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور ہم سب بھی حیرت سے منہ کھولے اس عورت کی طرف تکنے لگے۔

سفید ساڑھی پہنے ہوئے اس عورت کا عکس آئینہ سے جھانک رہا تھا اور جہاں جمنا کھڑی تھی وہاں سے اس کا عکس بھی آئینہ میں پڑ رہا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ ہو بہو ایک ہی عورت، شکل و صورت قد، لباس اور خد و خال کی دو عورتیں آئینہ میں آمنے سامنے کھڑی ایک دوسرے کو دیکھ رہی ہیں۔

"آرادھنا!" سندر بس جانی زور سے چیخا:

آرادھنا بے حد سنجیدگی اور متانت سے چلتی ہوئی لاؤنج کے اندر آ گئی اور جمنا کی طرف انگلی اٹھا کے بولی۔

"یہ کون ہے؟"

"تمہاری ڈبل!"

داؤد سیٹھ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

"کیا کرتے آرادھنا!" سندر بس جانی بے حد عاجزی سے بولا "پکچر بند پڑی تھی۔ لاکھوں کا نقصان ہو جاتا ہم دونوں

دیوالیے ہو جاتے"۔

"تھوڑے دن میرا انتظار کر لیا ہوتا" آرادھنا تلخی سے بولی۔

"بہت کیا، بہت کیا۔ کورگ کے جنگلوں میں تمہیں بہت ڈھونڈا۔ پولیس میں رپٹ بھی لکھوائی۔ پر پولیس کا بھی یہی خیال تھا کہ تم کو آدم خور چیتا کھا گیا۔ خون کے نشان جو ملے تھے ڈاک بنگلہ کے باہر!" داؤد سیٹھ نے کہا۔

"مجھ کو آدم خور چیتا نہیں اٹھا لے گیا تھا، ڈاکو اٹھا کر لے گئے تھے"۔

"ڈاکو۔۔۔!؟" سندر بس جانی اور داؤد سیٹھ دونوں کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

"ایکٹنگ مت کرو۔ تم سب جانتے ہو" آرادھنا بڑے تلخ لہجہ میں بولی۔

"خدا کی قسم لے لو" داؤد سیٹھ کہنے لگا۔

اسی وقت سندر بولا

"بھگوان کی سوگند! ہمیں کچھ معلوم نہیں"

"تم جھوٹ بولتے ہو" وہ لمبا تڑنگا مضبوط آدمی، جو آرادھنا کے پیچھے کھڑا تھا، گرج کر بولا "تم کو سب معلوم ہے"۔

"ہم کو کچھ معلوم نہیں ہے" سندر بس جانی نے اس آدمی کی طرف دیکھ کر پھر آرادھنا کی طرف دیکھا۔

آرادھنا بولی "کیا تم کو ڈاکوؤں کا پیغام نہیں ملا کہ بیس لاکھ دے دو۔ آرادھنا کو چھوڑ دیا جائے گا"۔

"نہیں!" داؤد نے بڑے زور سے انکار میں سر ہلایا۔
"تم پھر جھوٹ بولتا ہے۔" وہ لمبا آدمی غصہ سے بولا۔
"ڈاکوؤں کا آدمی خود تمہارے پاس پیغام لے کے آیا۔ مجھے معلوم ہے۔"
آرادھنا بولی۔
"یہ ارجن سنگھ ہے۔ یہ خود ڈاکوؤں کی اس گینگ میں تھا۔ اس کے آدمی تین دفعہ تمہارے پاس پیغام لے کے آئے۔ تم نے انکار کر دیا۔ بول دیا ہمارے پاس بیس لاکھ روپے نہیں ہیں۔"
ارجن سنگھ نے پستول نکال لیا۔
"سچ سچ بتاؤ۔ ہمارا آدمی تمہارے پاس آیا تھا کہ نہیں؟"
داؤد سیٹھ اور سندر بن جانی دونوں تھر تھر کانپنے لگے۔ سندر کی تو گھگھی بندھ گئی۔ داؤد سیٹھ نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔
"ہاں آیا تھا، آیا تھا۔ تین بار تو نہیں۔ ہاں دو بار ضرور آیا تھا۔ ہمارے پاس پیسے تھے نہیں۔ کیا کرتے؟"
"آرادھنا کو بچانے کے لئے بیس لاکھ زیادہ نہیں تھے۔" آرادھنا بولی "میں تمہاری دو پکچروں میں مفت کام کر دیتی۔ تمہارے بیس لاکھ دو سال میں ادا کر دیتی۔ مگر تم نے مجھے ڈاکوؤں کی حراست میں کئی ماہ تک سڑنے دیا۔ وہ تو بھلا ہوا ارجن سنگھ کا۔ اس کو مجھ سے پریم ہو گیا اور یہ مجھے ڈاکوؤں کے نرغہ سے اپنی جان پر کھیل کر بچا لایا... میں نے اپنے محسن سے شادی کر لی ہے، اور اب یہ

میرا شوہر ہے!"

"Congratulation" سندر مسکرانے لگا۔

"شٹ اپ!"

آرادھنا غصہ سے بولی۔ سندر جانی اکدم چپ ہو گیا۔

"یہ لوگ میرے فلیٹ میں کیا کر رہے ہیں؟"

آرادھنا نے جمنا اور ہماری طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"دنیا کے لئے تو یہی مس آرادھنا ہے" داؤد نے کہا۔

"ہے نہیں، تھی!" آرادھنا بڑھتے ہوئے غصہ سے بولی۔

"آج اصلی آرادھنا آگئی ہے — اس لئے اب نقلی آرادھنا کا میرے فلیٹ میں کیا کام؟ — انہیں اسی وقت نکال دو۔ اور اگر کچھ دینا دلانا ہے تو ابھی دے کر رخصت کر دو۔"

"پیسے تو یہ سب لے چکی ہے" داؤد سیٹھ نے جمنا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو نکلو!" آرادھنا جمنا کی طرف دیکھ کر چیخی "ابھی اسی وقت اپنے مسٹنڈوں کو لے کر میرے فلیٹ سے نکل جاؤ۔ نہیں تو پولیس کو بلاتی ہوں"

ارجن سنگھ نے اپنے پستول کی نالی جمنا کی طرف گھما دی۔

باسکو اور تانتیا دونوں آہستہ آہستہ پیچھے کو کھسکنے لگے۔

جمنا سر جھکا کر لاؤنج کے دروازہ سے باہر جانے لگی۔

یکایک باسکو نے جھک کر لاؤنج کے فرش پر پڑے ہوئے غالیچہ کو اس زور سے گھسیٹا کہ لمبا تڑنگا آدمی غالیچہ پر کھڑا ہوا

اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ دوسرے لمحہ میں تانتیانے اچھل کر اس کے پستول والے بازو کو پکڑ لیا۔ دوسری طرف سے باسکو نے ارجن سنگھ کے پیٹ پر اس زور کا گھونسہ مارا کہ پستول اچھل کر جمنا کے قریب جا پڑا۔ جمنا نے جھٹ سے پستول اٹھا لیا۔ ارجن سنگھ جمنا کی طرف بڑھنے والا تھا کہ تانتیا نے اس کی ٹانگوں میں گھس کر جوجتسو کا ایسا ہاتھ مارا کہ ارجن سنگھ ہوا میں اچھل گیا۔ نیچے آتے آتے باسکو نے اسے کمر سے پکڑ کر پٹخنی دی، مگر پٹخنی کھاتے کھاتے ارجن سنگھ سنبھل گیا۔ پھر باسکو اور ارجن سنگھ کئی منٹ اوپر نیچے ہوتے رہے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر ارجن سنگھ باسکو سے تگڑا تھا۔ اس لئے وہ زور لگا کر باسکو کی پیٹھ پر سوار ہو کر اس کا بازو توڑنے لگا، کہ تانتیا نے زور سے دروازہ کا ایک پردہ گھسیٹ کر اسے گھما کر جو مارا تو ارجن سنگھ کی گردن اسی پردہ کے گھماؤ میں آ گئی۔ تانتیا دونوں طرف سے پردہ کو کھینچتا جا رہا تھا۔ ارجن سنگھ کی آنکھیں ابل کر باہر آنے لگیں۔ باسکو نے زور لگایا اور وہ ارجن سنگھ کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ اور پے در پے دو تین ایسے کڑاکے کے گھونسے اس نے رسید کیے کہ ارجن سنگھ کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ اور وہ فرش پر گر پڑا۔ باسکو اور تانتیا دونوں نے مل کر اسی پردے سے ارجن سنگھ کے ہاتھ باندھ دیئے، اور دوسرے پردے کو کھڑکی سے گھسیٹ کر اس کی ٹانگیں باندھ دیں۔ اب ارجن سنگھ ایک صوفہ کی طرح فرش پر بندھا ہوا پڑا تھا۔

"اب پولیس کو بلاؤ۔" باسکو نے ہانپتے ہانپتے آرادھنا سے کہا۔ "کم از کم ایک ڈاکو تو پکڑا جائے گا۔"

آرادھنا زور سے ہنس کر بولی۔

"یہ پولیس میں بیان دے چکا ہے، سلطانی گواہ بن چکا ہے۔ اس نے اپنی گینگ کا سارا کچا چٹھا کھول دیا ہے۔ پولیس اس سے کچھ نہیں کہے گی۔ مگر تم میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں رہتے آئے ہو پولیس ضرور اندر کر دے گی اور اس عورت کو جعل سازی کے جرم میں تین سال کی سزا بھی ضرور ہو گی۔"

آرادھنا نے جمنا کی طرف اشارہ کیا تھا۔

شانتا کول جو اب تک چپ تھی، بڑے گمبھیر لہجہ میں مجھ سے بولی۔

"مس آرادھنا ٹھیک کہتی ہیں۔ قانون اس کیس میں مس آرادھنا کا ساتھ دے گا۔ تم لوگوں کو ابھی اس فلیٹ سے نکلنا پڑیگا۔"

"ایسا؟" باسکو نے پوچھا۔

شانتا کول نے 'ہاں' میں سر ہلایا۔

"تو چلو لو فرو۔" باسکو نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "یہاں سے نکل چلیں۔"

"مگر جمنا کو اس کی محنت کا صلہ ضرور ملنا چاہیئے۔" شانتا کول نے سندر بس جانی اور داؤد سیٹھ دونوں سے اپیل کی۔ "اتنی محنت اور خوبصورتی سے اس نے کام کیا ہے، اور کل کے پریمیئر پر جانے کا اسے کتنا ارمان تھا۔"

"کل کے پریمیئر پر میں جاؤں گی۔" آرادھنا ناگن کی طرح

پھنکار کر بولی۔

"جب اصلی ہیروئن آگئی ہے تو اصلی ہیروئن ہی کو پریمیر پر جانے کا حق ہے" سندر تبس جانی بولا۔

"میں مس آرادھنا کے حق کی بات نہیں کر رہی ہوں، بلکہ مس جمنا کا حق اسے دلانا چاہتی ہوں"

"یہ سب طے چکی ہے، ہمارے پاس اس کی سب رسیدیں موجود ہیں"

"اور اگلی دو تصویریں جو تم نے سائن کی ہیں؟"

"وہ تو اسے مس آرادھنا سمجھ کر سائن کی تھیں۔ ہم عدالت میں صاف کہہ دیں گے اس لڑکی نے مس آرادھنا بن کر ہمیں دھوکا دیا ہے۔ ایک پیسہ ہم اس کو نہیں دیں گے" سندر قطعیت سے بولا۔

شانتا کول اپنا ہونٹ چبانے لگی۔ سندر بات تو ٹھیک کہتا ہے، پھر یکایک اس کی آنکھیں ایک گہری امید سے چمکنے لگیں۔ بولی۔

"ٹھیک ہے۔ کل سب اخباروں میں اصلی اور نقلی آرادھنا کی داستان شائع ہوگی، کہ کیسے تم نے اصلی آرادھنا نہیں بلکہ نقلی آرادھنا سے تصویر مکمل کرائی — اور اگر پکچر ذرا بھی نرم گئی تو تم لوگوں پر ڈسٹری بیوٹرز اسی وقت ہرجانے کی نالش داغ دینگے۔ Under Stand" "میں خود دیکھوں گی کہ کل کے سارے اخبارات میں جلی حروف سے یہ کہانی شائع ہو — جمنا اور آرادھنا کی تصویروں کے ساتھ — میں تم دونوں سیٹھوں کے فریب

اور چالاکی کو بے نقاب کر کے چھوڑوں گی —— چلو جمنا میرے ساتھ ....."

شانتا کول اُٹھنے لگی، کہ دھیرے سے داؤد سیٹھ نے اس کا دامن پکڑ لیا ——

"ہم تباہ ہو جائیں گے سانتا باجی"

"اور جمنا تباہ ہو جائے اس کا تمہیں کچھ خیال نہیں۔ اس کا شوہر ابھی یورپ سے علاج کرا کے آیا ہے۔ زندگی کے چند سال ہی اُسے ملے ہیں۔ اُسے آرام چاہیئے، سکون چاہیئے، علاج چاہیئے۔ بے فکری کی زندگی چاہیئے۔ اور ان سب باتوں کے لئے اسے روپیہ چاہیئے، اور تم ایک کوڑی دیئے بغیر انہیں اس فلیٹ سے نکال دوگے .... چلو جمنا ... کل اخباروں میں سب آجائے گا۔"

"نہیں نہیں" سندر بس جانی اپنی جیب سے چیک بک نکالتے ہوئے بولا" بولو مس شانتا، ہم بھی انسان ہے، ہم کو بھی کچھ خیال ہوتا ہے ... بولو، تم بولو کتنے کا چیک کاٹوں؟"

"چیک نہیں" باسکو گرج کر بولا" نقد دو، اور ابھی دو۔"

داؤد سیٹھ نے اپنا بڑا تھیلا کھولا۔ وہ سو سو اور ہزار ہزار کے نوٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

ڈیڑھ لاکھ روپے پر فیصلہ ہوا۔

جمنا ڈیڑھ لاکھ روپے لے کر اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئی۔

اور اس نے اپنی اگلی دونوں پکچروں کے کنٹریکٹ بھی کینسل کر دیئے۔ ڈیڑھ لاکھ روپے لے کر دونوں فریقین نے ہاتھ ملائے اور ہم لوگ فلیٹ سے باہر نکلنے لگے۔

چلتے چلتے باسکو نے بندھے ہوئے ڈاکو کی طرف دیکھا۔

"بے چارا جنگل کا ڈاکو ——— اسے کیا معلوم کہ بمبئی کا جنگل کورگ کے جنگل سے بھی بڑا ہے۔ اس کے گلی کوچوں میں ایک سے ایک بڑا ڈاکو رہتا ہے ——— کیوں سیٹھ؟"

باسکو نے اتنا کہہ کر داؤد سیٹھ اور ستارہ بیس جانی دونوں کی طرف طنز بھری نظروں سے دیکھا۔ دونوں سر جھکائے چپ چاپ بیٹھے تھے۔ ہم لوگ، پریم ورما، جمنا اور شانتا کول کو لے کر فلیٹ سے باہر چلے آئے۔

شانتا کول کی صلاح پر اسی وقت ہم لوگ ایئر پورٹ چلے گئے اور بنگلور جانے والے ہوائی جہاز پر اسی وقت دو ٹکٹیں لے کر جمنا اور پریم ورما کو بٹھا دیا گیا، اور ڈیڑھ لاکھ کے نوٹ جمنا کے پرس میں ڈال دیئے گئے۔ جمنا اور پریم ورما نے بہت اصرار کیا کہ اس رقم میں سے ہم بھی کچھ لے لیں، مگر باسکو نے انھیں بڑی سختی سے ڈانٹ دیا۔ شانتا کول نے صلاح دی۔

"بمبئی واپس مت آنا ——— وہیں بنگلور میں رہو ——— حیدر آباد میں رہو ——— کہیں رہو، کوئی بزنس کر لو۔ ڈیڑھ لاکھ تم لوگوں کے لئے بہت ہے!"

"بہت ہے —— بہت ہے" پریم ورما نے جھک کر شانتا کول کا

ہاتھ چوما اور باری باری ہم سب نے ایک دوسرے کو گلے سے لگایا اور جمنا اور پریم ورما کو الوداع کہی۔ پھر ان کا ہوائی جہاز ہمارے سروں پر اُڑ گیا۔ ہم اس وقت بھی اپنے ہاتھ ہلاتے رہے سب کی آنکھیں جمنا اور پریم ورما کی جدائی کے صدمہ سے بھیگنے لگیں۔

رات کے بارہ بجے ہم لوگ پھر واپس اپنے فٹ پاتھ پر پہنچ گئے۔ وہی ماہم کا چوک تھا، وہی گرجا، وہی گل مہر کا پیڑ، وہی بلو گراؤنڈ، وہی مریم اور مقدس بچہ! باسکو نے لوہے کے جنگلے کے باہر گھٹنے ٹیک کر اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا پھر زور زور سے چلا کر بولا۔

"کوڑھی جان! ہم آگئے۔"

کوڑھی جان آنکھیں ملتا ملتا اٹھا۔

وہ خوشی سے رونے لگا۔ میں اپنی پرانی پتلون پہن کر اپنی پرانی جگہ پر دراز ہو گیا۔ تانتیا کی جگہ رامو گرہ کٹ نے سنبھال لی تھی۔ تانتیا کو دیکھتے ہی اس نے اس کی جگہ خالی کر دی اور کہا۔

"جائے استاد خالی است!"

صبح سویرے میں نے واپس اپنے پرانے اڈہ پر جانے کا اعلان کر دیا۔ عیدل کی جگہ ساچو بائی نے لے لی تھی جو چھگن لال مل میں کام کرتی تھی۔ اس نے بھی بڑے پیار سے عیدل کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

اور اپنی پرانی جگہ پر چلی گئی۔ البتہ باسکو کی جگہ ابھی تک خالی تھی۔
اور تعجب ہے کہ اس کی جگہ پر ابھی تک کوئی نہ سویا تھا۔
کوڑھی جان ہنس کر بولا۔
"تمہارا جاگہ ہم نے کھالی رکھا —— ہم بولا، باسکو ادھر واپس جرور آئے گا۔"
باسکو اطمینان کا ایک سانس لے کر فٹ پاتھ کے ننگے فرش پر دراز ہو گیا اور اس کے دونوں ہاتھ فٹ پاتھ کی مٹی سے بھر گئے۔
یکایک اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا —— کوئی گٹھڑی تھی شاید۔ اس نے اٹھ کر دیکھا۔
مگر یہ گٹھڑی نہیں تھی۔ ایک عورت تھی، جو گٹھڑی کی طرح سکڑ کر جمنا کی جگہ لیٹی تھی۔
"تم کون ہو؟" باسکو نے اس سے درشت لہجہ میں پوچھا۔
"میں رضیہ ہوں" وہ لڑکی نیند سے بیزار ہو کر آنکھیں ملتے ملتے خفتہ لہجہ میں بولی "میں جمنا کی سہیلی ہوں"
"سترھویں سڑک والی سہیلی؟" تانتیا نے پوچھا۔
"سو جاؤ، سو جاؤ، اطمینان سے سو جاؤ" باسکو نے بڑی شفقت سے اس سے کہا، اور فٹ پاتھ کی خاک بٹور کر اپنے کپڑوں پر ڈال کر انھیں میلا کرنے لگا۔
لونڈوں کے آنے کی خبر آناً فاناً سڑک کے آر پار چاروں طرف پھیل گئی اور پرانے یار دوست اسی وقت ادھر اُدھر سے ملنے کیلئے آنے لگے۔ دارو والی گلی میں مستری باوا کو جو خبر ملی تو وہ بھی بھاگت

بھاگتا آیا اور باسکو کے سر پہ کھڑا ہو کے بولا۔

"باسکو! دو ٹائر ہم کو ابھی تک نہیں ملا۔"

"فکر نہ کرو سیٹھ!" باسکو کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

"کل لاکے دے گا — ابھی تم ہم کو بیس روپیہ اُدھار دیو — اور چھ باٹلی ٹھرا —!"

خَتم شُد

کتابت: منتجاب احمد